ایک اونکار ست گورو پرساد

چوں کارے ہمہ حیلتے در گزشت
حلال است بردن بہ شمشیر دست

ظفرنامہ

سری گورو گوبند سنگھ صاحب جی مہاراج کا

منظوم اُردو ترجمہ

معہ تنقیدی تبصرہ شرح وحاشیہ کے مکمّل معہ حکایات کے

از

سردار گوردیال سنگھ بھولا ایڈوکیٹ امرتسری مقیم دہلی

تعداد ۱۰۰۰
قیمت تین روپے

سمرپن

سکہ زد بر ہر دو عالم تیغ نانک وہب است
فتح گوبند شاہ شاہاں فضل سچا صاحب است

میں اس تصنیف کو لبعد عجز و انکسار کے سری گورو گوبند سنگھ صاحب جی قلغی دھر دسم پتا جن کا ۳۰۱ سواں جنم دن خالصہ پنتھ تاریخ ۱۷ جنوری ۱۹۶۷ء کے منا رہا ہے چرنوں میں بھینٹ کرتا ہوں

سری واہگورو جی کا خالصہ۔ سری واہگورو جی کی فتح

گورو پنتھ و سادھ سنگت کا داس

گوردیال سنگھ بھولا ایڈووکیٹ امرتسر نواسی مقیم

۱۵۰۶ رنجیت محلہ پہاڑ گنج نیو دہلی۔

— ایجنٹس —

(۱) پنجابی بک سٹال پہاڑ گنج نیو دہلی
(۲) پنجابی پستک بھنڈار دریبہ کلاں دہلی
(۳) کتب خانہ انجمن ترقی اردو۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی۔

فہرست مضامین

اشاعت بار اول
سری گورو گوبند سنگھ صاحب کی تین سوویں سالگرہ کے سال میں
جنوری سنہ ۱۹۶۷ء

تعارف

گورو گوبند سنگھ جی نے دسم گرنتھ رچا جو کہ ایک خاصی ضخیم کتاب ہے اور اِس کا زیادہ حصہ برج بھاشا میں ہے۔ گورو مہاراج نے دسم گرنتھ کے آخیر میں اپنی فارسی مثنوی فردوسی کے بحر شاہنامہ میں بہ عنوان "ظفرنامہ" کے درج فرمایا ہے۔ گورمکھی حروف میں فارسی عبارت لکھنے سے مضمون میں نقص آجانا کوئی بڑے تعجب کی بات نہیں۔ مثلاً ظفرنامہ کا پہلا شعر ہی لیجیئے۔

کمالِ کرامات قائم کریم ۔ رضا بخش رازق رہاکو رحیم

لفظ "رہاکو" کا مطلب نجات دینے والا لیا گیا ہے۔ لیکن فارسی میں یہ لفظ اِن معنوں میں مستعمل نہیں ہے۔ اِس کتاب میں اس لفظ کو رزاق درج کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے رزق دینے والا۔ رازق اپنی رضا سے بخشش کرنے والا رزاق۔ رازق کی عربی شکل ہے۔ کئی شارحین (ٹیکا کاروں) نے رھاکن لکھ دیا ہے۔ گورو گوبند سنگھ جی کے ظفرنامہ میں جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ اس کتاب میں سردار گوردیال سنگھ بھولا ایڈوکیٹ امرتسری نے ظفرنامہ کے بارہ میں تحقیق ریسرچ بہم پہنچائی ہے۔ آپ نے دس بارہ دیگر ظفرنامہ جات کا ذکر کیا ہے اور صرف ذکر ہی نہیں بلکہ ان ظفرنامہ جات سے نمونے کے چند اشعار ہر ایک سے

معہ ترجمہ کے نقل کر دیئے ہیں۔ تاکہ مکمل حوالہ کا کام دے سکیں۔ اور سردار صاحب کی یہ ریسرچ ظفر نامہ کے مضمون پر ایک نئی اور مکمل روشنی ڈالتی ہے۔ سردار صاحب کے نقطہ نظر سے ظفر نامہ صرف خط ہی نہیں بلکہ ایک اتہاسک یعنی تاریخی نظم بھی کہلا سکتا ہے۔ بلکہ ہمارے خیال میں تو وہ یقیناً ایک اتہاسک نظم ہے۔

سردار گوردیال سنگھ بھولا ایڈوکیٹ فارسی زبان ایک بڑے بھاری اسکالر اور عالم کا درجہ رکھتے ہیں۔ علاوہ اس کے آپ عربی اور عبرانی زبانوں سے بھی واقف ہیں۔ ظفر نامہ میں کئی مقامات پر قافیہ کا نقص پایا جاتا ہے سردار صاحب نے اسکو درست کر دیا ہے لیکن مطلب میں فرق نہیں آنے دیا۔ اپنے ظفر نامہ میں جو بحر گورو گوبند سنگھ جی نے استعمال کیا۔ وہی بحر مترجم نے استعمال کیا ہے الفاظ بھی اکثر اور بیشتر وہی ہیں لیکن ترجمہ کی زبان سلیس اردو ہے۔ اور اردو دان طبقہ ان اشعار کو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ اس اردو ترجمہ کو دیکھ کر بے اختیار منہ سے واہ واہ نکلتی ہے۔ سردار صاحب نے اصل ظفر نامہ کے ۱۳۹ اشعار کا ترجمہ نظم میں کر دیا ہے حکایات کو نہایت شاندار نثر میں پیش کیا ہے۔ اس نثر کو بھی جابجا گورو گوبند سنگھ جی کے کہے ہوئے فارسی اشعار سے مزین کیا گیا ہے۔ دیگر آپ کا ارادہ ہے کہ اگر اس ترجمہ کو بہ نظر مقبولیت دیکھا گیا۔ تو آپ جلد ہی جملہ حکایات کا بھی مکمل منظوم اردو ترجمہ معہ ترجمہ نثر و اصل متن فارسی کے پیش کرینگے۔

خاکسار

اے۔ ایس ڈنگلے ایڈوکیٹ غازی آباد

۲۰ دسمبر ۱۹۶۶ء

بابِ تمہید

سکھ تحریک کی تاریخ پر ایک سرسری نظر

سکھ پنتھ کے بانی گورو نانک دیوجی کا جنم ۱۴۶۹ء میں بمقام تلونڈی رائے بھوئے جس کو اب ننکانہ صاحب کہتے ہیں. ہوا ۱۴۹۹ء میں آپ نے نواب دولت خاں لودھی کی ملازمت ترک کر کے دُور دُور مقامات کی یاترا کی. آپ ۱۵۱۷ء کے آخیر میں مکہ تشریف لے گئے. اور وہاں سے مدینہ کربلا کوفہ بغداد وغیرہ مقامات کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے براستہ قندھار ۱۵۲۲ء میں واپس پنجاب پہنچے. اور یہاں پہنچ کر باقاعدہ طور پر سکھ پنتھ کے اصولوں کا پرچار شروع کیا.

گورو نانک دیوجی خدا کی وحدانیت کے قائل تھے. اور بت پرستی کے سخت خلاف تھے. آپ ایشور بھگتی، نیک اعمال اور خدمتِ خلق کو ذریعہ نجات آخروی سمجھتے تھے. گورو نانک صاحب ۱۵۳۹ء میں جوتی جوت سمائے آپ کے بعد ۹ گورو صاحبان یکے بعد دیگرے آپ کی گدی پر بیٹھے اور انہوں نے آپ کے پرچار کے کام کو جاری رکھا ان گورو صاحبان کے اسمائے گرامی مع ان کے زمانہ پرچار کے حسب ذیل ہیں:-

۲- شری گورو انگد دیوجی ۱۵۳۹ء سے ۱۵۷۴ء تک

۳ - سری گورو امرداس جی ۱۵۵۲ء سے ۱۵۷۴ء تک
۴ - سری گورو رامداس جی ۱۵۷۴ء سے ۱۵۸۱ء تک
۵ - سری گورو ارجن دیو جی ۱۵۸۱ء سے ۱۶۰۶ء تک
۶ - سری گورو ہرگوبند صاحب جی ۱۶۰۶ء سے ۱۶۴۴ء تک
۷ - سری گورو ہررائے صاحب جی ۱۶۴۴ء سے ۱۶۶۱ء تک
۸ - سری گورو ہرکشن صاحب ۱۶۶۱ء سے ۱۶۶۴ء تک
۹ - سری گورو تیغ بہادر جی ۱۶۶۴ء سے ۱۶۷۵ء تک
۱۰ - سری گورو گوبند سنگھ جی ۱۶۷۵ء سے ۱۷۰۸ء تک

گورو گوبند سنگھ جی کے جوتی جوت سما جانے کے بعد ۵۳ سال تک سکھ قوم پنجاب میں سیاسی اقتدار کیلئے شمشیر بکف رہی. آخر ۱۷۶۱ء کے اختتام پر بھنگی مثل کے سرداروں نے قلعہ لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت سے لے کر ۳۱ مارچ ۱۸۴۹ء تک خالصہ کا جھنڈا قلعہ لاہور پر لہراتا رہا۔ اور اس کے بعد وہاں ۱۰ اگست ۱۹۴۷ء انگریزی حکومت کا جھنڈا یونین جیک سربلند رہا۔ اور پھر وہی خنجر ہلال جسکو سکھ قوم نے ۱۷۶۱ء میں وہاں سے اکھاڑا تھا۔ دوبارہ وہیں لہرانے لگا.

زمانے کا ہرگز نہیں اعتبار۔ کسی کا نہیں چرخ گرذندہ یار
بیک گردشِ چرخِ نیلوفری ۔ نہ نادر رہا اور نہ نادری

اوپر بیان کئے واقعات کی بنا پر یہ نتیجہ بخوبی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سکھ پنتھ کے پرچار کا کام ظہیر الدین بابر اول شہنشاہ مغلیہ کے اس ملک میں وارد ہونے

سے صرف چند سال پیشتر شروع ہوا تھا۔ ۱۶۰۶ء میں شہنشاہ جہانگیر نے اپنے حکم سے گورو ارجن دیو جی کو بمقام لاہور شہید کروایا۔ چھیویں اور ساتویں پادشاہی نے مغلوں کے اقتدار کے خلاف اپنی تلوار کو بے نیام کیا۔ ۱۶۷۵ء میں بعہد جہانگیر نویں پادشاہی گورو تیغ بہادر جی نے بمقام دہلی ہندو مذہب کی حفاظت کی خاطر اپنا شہیدی بلیدان دیا۔ ۱۶۹۹ء میں گورو گوبند سنگھ جی نے پانچ پیاروں سے سیس بھینٹ لے کر اور ان کو امرت چھکا کر خالصہ پنتھ کی بنیاد رکھی۔ اور ۱۷۰۰ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی عظیم الشان فوجی طاقت کے ساتھ اعلانیہ طور پر بے خوف و ہراس ٹکر لی۔ اپنے چاروں بیٹوں کی زندگی کی قربانی ہندو قوم کی خاطر پیش کی اور پنجاب میں خالصہ قوم کے سیاسی اقتدار کی بنیادیں استوار کر دیں۔ ۱۸۴۹ء میں سکھ راج کا خاتمہ ہوا۔ اور ۱۸۵۸ء میں تخت دہلی سے مغل سلطنت کا نام و نشان مٹ گیا۔ یعنی تقریباً ایک ہی وقت میں جن دو طاقتوں کی بنیادیں قائم ہوئی تھیں۔ تین سو تیس سالوں کے بعد ایک ہی وقت میں ان دو طاقتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ دسم پاتشاہی گورو گوبند سنگھ جی نے بمقام ننديڑ ملک دکن اکتوبر ۱۷۰۸ء گورو گرنتھ صاحب کو گورتائی بخشی۔ گورو نانک دیو جی نے بہت سی بانی اچارن کی تھی۔ ۱۶۰۴ء میں گورو ارجن دیو جی نے اس بانی میں سے ایک بڑے حصہ کا انتخاب کر کے اور اس کے ساتھ اپنی بانی و نیز ۱۳ بھگتوں اور بھاٹوں کی بانی شامل کر کے آد گرنتھ کو ترتیب دیا۔ اس میں تخمیناً ۱/۴ حصہ گورو نانک صاحب کی بانی کا ۱/۲ حصہ گورو ارجن صاحب و دیگر گورو صاحبان کی بانی کا ہے۔ اور ۱/۴ حصہ بھگتوں کی بانی کا۔ گورو گوبند سنگھ جی

نے ۱۷۰۶ء میں اپنے پتا گورو تیغ بہادر جی کی بانی کو آدگرنتھ میں شامل کر کے اسکو مکمل کر دیا تھا۔ جن گورو صاحبان کے نام ہ کے ساتھ شروع ہوتے ہیں۔ یعنی چھٹی۔ ساتویں اور آٹھویں پاتشاہی کی کوئی بانی آدگرنتھ میں شامل نہیں ہے۔ اور نہ ہی دسم پاتشاہی نے اپنی کوئی بانی آدگرنتھ میں شامل کی لیکن کئی ودوانوں کا خیال ہے کہ گورو گوبند سنگھ جی کی دو تکیں آدگرنتھ میں شامل ہیں۔ نیز ہمارا ابھی اسی رائے کے ساتھ اتفاق ہے :- آدگرنتھ میں دسویں پاتشاہی کا یہ مختصر سا ارشاد ملتا ہے۔

بل ہوٓ بندھن چھٹے سبھ کچھ ہوت اُپائے
نانک سبھ کچھ تمرے ہاتھ ہے تُم ہی ہوت سہائے

دسم پاتشاہی سری گورو گوبند سنگھ جی جہاں اپنے زمانہ کے بہترین سیاستدان اور قابل ترین جرنیل تھے وہاں ایک اعلےٰ پایہ کے شاعر اور ادیب بھی تھے آپ کے دربار میں ۵۲ شاعر (کوی) ہمیشہ حاضر رہتے تھے۔ جن میں کرشن بھائی نندلال گویا عالم کوی اور سیناپتی بڑی معروف ہستیاں تھیں۔ ان ۵۲ شعرا کی امداد سے اور اس میں بہت سی اپنی رچنائیں شامل کر کے گورو گوبند سنگھ جی نے ایک بڑا بھاری گرنتھ ترتیب دیا تھا۔ جس کا نام انہوں نے ودیا ساگر رکھا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس مسودہ کا وزن ساڑھے ستائیس من پختہ تھا لیکن جب گورو گوبند سنگھ جی جنگ بھنگنی کے بعد اورنگ زیب کے جرنیلوں اور پہاڑی راجاؤں کے ساتھ عہد وپیمان کر کے قلعہ آنندپور کو چھوڑ کر جا رہے تھے

تو دشمن نے بد عہدی کر کے سکھ فوجوں پر اچانک حملہ بول دیا۔ اور یہ جہاں گرنتھ و دیاساگر جب کہ اسے گورسکھ کشتی میں رکھ کر سرسہ ندی سے پار لے جا رہے تھے۔ کشتی الٹ جانے کی وجہ سے غرق آب ہو گیا۔ سکھوں نے بڑی کوشش سے اس کے کچھ ورق بچا لئے اور گورو گوبند سنگھ جی نے ان اوراق کو آخر سن ۱۷۰۶ء میں ترتیب دے کر دسم گرنتھ کی شکل دیدی۔

بھائی کیسری سنگھ چھبر نے (جن کے والد بھائی گوربخش جی چھبر اور دادا بھائی دھرم چند جی حضوری تھے) سکھ گورو صاحبان کا ایک بنساولی نامہ لکھا ہے "امرتسر کی تواریخ کے چند ماخذ" کے عنوان کے تحت جو کتاب پروفیسر گنڈا سنگھ جی ایم۔ اے نے ترتیب دی ہے۔ اس میں بھی انہوں نے بھائی کیسری سنگھ چھبر کے اس بنساولی نامے کا ذکر کیا ہے بنساولی نامہ میں اس طرح تحریر ملتا ہے کہ سن ۱۷۰۰ء میں سکھوں نے دسم پاتشاہ کی سیوا میں عرض گذرانی کہ اگر اجازت ہو تو آدگرنتھ کے ساتھ ہی دسم گرنتھ کو بھی شامل کر لیا جائے۔ لیکن گورو جی نے اس بات کی اجازت نہ بخشی۔ بھائی کیسری سنگھ نے اس واقعہ کو حسب ذیل پنجابی اشعار میں بیان کیا ہے:-

سکھاں بینتی صاحب اگے سی کیتی۔ غریب نواج جے حکم ہووے تاں
دوہاں گرنتھاں دی بیڑ اک چاہئیے کر لیتی

صاحب بچن کیتا آدگورو ہے گرنتھ۔ ایہہ اساڈی ہے کھیڈ جدا من منتھ

ادر فی الواقعہ دسم گرنتھ کا آدگرنتھ کے ساتھ کوئی میزان نہیں کیا جا سکتا آدگرنتھ صاحب ایک خالص روحانی تعلیم کا مرقع اور دسم گرنتھ ایک ادبی شاہکار

ہے۔ گورو گوبند سنگھ جی نے دسم گرنتھ میں چار زبانیں استعمال کی ہیں۔ یعنی (۱) برج بھاشا (۲)، پنجابی (۳)، ریختہ (اردو) اور (۴) فارسی۔ آپ نے اس میں ۲۲۵ اقسام کے چھند استعمال کئے ہیں۔ اور مضامین کو لیں تو دسم گرنتھ میں چنڈی دیوی کا راکشسوں کے ساتھ یدھ۔ اکال استت۔ مختصر سا افسانہ ہیر رانجھا کا سویئے (رباعی کی ایک قسم) وچیتر ناٹک وغیرہ مختلف قسم کے مضامین ملتے ہیں۔ دیگر دسم گرنتھ کے آخیر میں بزبان برج بھاشا ایک تمہیدی مضمون کو تار وپ میں ملتا ہے۔ جو دسم گرنتھ لاہور سے ۱۹۲۶ء میں گیانی ہیرا سنگھ (؟) نے شائع کیا تھا۔ اس کے صفحہ ۹۰۸ پر یہ مضمون درج ہے۔ اشاعت کنندہ کا نام اس لئے بالوثوق نہیں لکھ سکا۔ کیوں کہ اس اشاعت کی کاپی جو میں نے دیکھی ہے۔ اس کے حصّہ اول کے کئی صفحات گم ہیں۔ اور آخر حصہ سے بھی چند ورق ضائع ہو چکے ہیں۔ یہ منظوم مضمون استری چرتر (یعنی عورتوں کے مکر و فریب کی کہانیوں) کے پیش لفظ کے طور پر لکھا گیا معلوم ہوتا ہے۔ عنوان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ایک اونکار واہگورو جی کی فتح ہے سری بھگوتی آئینمہ

اتھہ پکھیاں چرتر لکھیتے۔ پاتشاہی ۱۰۔ بھوجنگ چھند۔ توپرساد

توہی کھڑگ دھاری توہی باڈواری۔ توہی تیر نمر دار کاتی کٹاری

ہلبی جونوبی مغربی توہی ہیں۔ تہار وجہاں آپ ٹھانڈی وہی ہیں

توہی جوگ مایا توہی باک بانی۔ توہی آپ روپا توہی سری بھوانی

توُہی بسن توُں برہم توُں رُدّر راجے ۔ توُہی بسو ماتا سدا جو براجے
توُہی دیوتوں دیت تے چھ اپائے ۔ توُہی ترک ہندو جگت میں بنائے
توُہی پنتھ ہیو ادتری سرست ماہنی ۔ توُہی بکتر تے برہم یادو بکاہنی

اُردو ترجمہ

ایک اونکار واہگورو جی کی فتح ۔ سری بھگوتی جی کو نمستے ۔
(سکھ وددان لفظ بھگوتی سے مراد شمشیر لیتے ہیں)

اب ہم مستورات کے مکر وفن کے حالات لکھتے ہیں ۔ پاتشاہی ۱۰ ۔ بہ فضل اکال

(۱) توُ ہے تیغ دان اور تلوار دھاری ۔ تو خود تیر و تلوار و خنجر کٹاری

(۲) غرب مشرق و مغرب توُہی روبرو ہے ۔ جہاں دیکھتا ہوں وہاں توُہی توُ ہے
(شمس تُو قمر تُو ستاروں میں توُ ہے ۔ کہ جلوہ تیرا ہر جگہ ہو بہو ہے)

(۳) توُہی جوگ مایا توُ ہے برہم بانی ۔ توُہی حسن ابدی توُہی سری بھوانی
توُہی وشنو برہما توُ ہے رُدّر راجے ۔ تو سرشٹی کا کرتا سدا جو براجے
ہوئے دیت چھ دیوتا تُم سے پیدا ۔ تیری ذات سے ترک و ہندو ہویدا
توُہی انکو دُنیا میں راہ ہے دکھاتا ۔ زرّہ بکتر پہنا کے باہم لڑاتا
سری بھوانی اور برہم بانی دھارک اشارے ہیں ۔ مایا استری روپ ہے ۔

جس سے مادہ کا ظہور ہوا اور برہم بانی سے مطلب شبد (اوم) ہے جس سے روح اور مادہ کا سمبندھ قائم ہوا۔ "اندر" برق آسمان کا دیوتا ہے۔ جو بارش کے ساتھ ساتھ آتا ہے۔ اور دھرتی کو اپجاؤ بناتا ہے۔ ایک سنسکرت زبان میں نظم ہے۔ جس میں شاعر نے بکی روٹی کے تاریخی کارن بتائے ہیں۔

روٹی سے پہلے ہے آٹا۔ اور آٹے سے پہلے ہے چکی۔
چکی سے پہلے ہے گندم۔ اور گندم سے پہلے ہے بویا ہوا کھیت۔
اس سے پہلے ہے بارش وایو۔ آکاش سورج کی چمک اور الشیور کی کرپا
اس لئے روٹی الیشور کی کرپا سے ہے۔

اس کوتک کے بعد ۴۰۵ کہانیاں بدکار عورتوں کے مکروفریب کی درج ہیں ان کہانیوں کے بھی بعد سب سے آخر (اشاعت مذکورہ یعنی دسم گرنتھ مطبوعہ لاہور ۱۹۲۲ء کے صفحہ ۱۳۸۹ پر گوروگوبند سنگھ صاحب کی مشہور مثنوی بزبان فارسی تحت عنوان "ظفر نامہ گوروگوبند سنگھ جی" کے ملتی ہے۔ یعنی یہ مثنوی دسم گرنتھ کا آخری باب ہے۔

گوروگوبند سنگھ جی کی سوانح حیات پر ایک سرسری نظر

گوروگوبند سنگھ جی کی پیدائش کی تاریخ کے بارہ اکثر مورخین کے مابین بھاری اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن زیادہ اکثریت کے ساتھ اتفاق رائے ۲۶ دسمبر ۱۶۶۶ء کی تاریخ کے بارہ ہے۔ آپ کی ولادت بمقام پٹنہ ہوئی۔ گوروگوبند سنگھ جی کے والد گوروتیغ بہادر صاحب اس وقت راجہ رام سنگھ راجپوت کے ساتھ ملک

آسام گئے ہوئے تھے۔ اور واپس پٹنہ آکر گورو تیغ بہادر صاحب کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے رہے اس کے بعد آپ ملک پنجاب تشریف لے آئے۔ گورو گوبند سنگھ جی کو اس وقت پنجاب لایا گیا۔ جبکہ آپ کی عمر ۵ سال کی تھی جس طرح حضرت عیسےٰ کی پیدائش کے زمانہ میں مشرق کے تین بزرگوں نے ایک نئے ستارہ کا طلوع دیکھا تھا۔ اسی طرح گورو گوبند سنگھ صاحب کی پیدائش کے بارہ بھیکن شاہ درویش نے جو کہ موضع تھسکہ (نزد تھانیسر) کا رہنے والا تھا۔ خواب دیکھا تھا جس میں اسے بشارت ہوئی تھی۔ کہ پٹنہ میں ایک بڑا مرد مجاہد پیدا ہونے والا ہے۔ چنانچہ بھیکن شاہ اس نوزائیدہ بچہ کا دیدار کرنے کے واسطے پٹنہ پہنچا۔ اور دو کوزے مٹھائی کے بھر کر لے گیا۔ ایک کوزہ سے مراد ہندو تھی۔ اور دوسرے سے مسلمان۔ جب اس ننھے بچے کے سامنے یہ مٹھائی کے کوزے رکھے گئے۔ تو اس نے دونوں کوزوں کو بیک وقت اپنے ہاتھوں سے چھوا۔ جس سے بھیکن شاہ کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ مرد مجاہد ہندو مسلمانوں کے درمیان کوئی تمیز روا نہ رکھیگا۔ چنانچہ بعد ازاں ایسا ہی ثابت ہوا۔ گورو گوبند سنگھ جی پہاڑی راجاؤں کے خلاف لڑے۔ جو کہ ہندو تھے۔ انہوں نے مغل افواج کے خلاف بھی لڑائی کی۔ جو کہ مسلمان تھے لیکن گورو گوبند سنگھ کے اپنے لشکر میں ہندو بھی تھے مسلمان بھی اور سکھ بھی تھے۔ بمقام بھنگنی گورو گوبند سنگھ جی کی جانبداری میں لڑتے ہوئے سید بدرالدین کا ایک فرزند شہید ہو گیا تھا۔ اور گورو گوبند سنگھ جی نے اپنی دستار مبارک کو آدھا کر کے سید بدرالدین کو پگڑی بندھوائی تھی۔

گورو گوبند سنگھ ۱۷۰۸ء میں بمقام نندیڑ (ملک دکن) جوتی جوت سمائے آپ نے سکھوں کی رہنمائی کے لئے کوئی دیہہ دھاری گورو ستھاپت نہ کیا بلکہ اُن کو گورو گرنتھ صاحب کو ہی گورو ماننے کی تلقین کی۔ سکھ گوروؤں کی ۱۷۰ سال (۱۵۳۹ء تا ۱۷۰۸ء) کی تواریخ پر نظر ڈالنے سے دسم پتہانے یہ معلوم کر لیا تھا۔ کہ آئندہ کسی شخص یعنی اپنے کسی چیلے کو گوریائی بخش دینے سے گوریائی کی نسبت عدالتی جھگڑے ہو جایا کرینگے اور سکھ پنتھ کی ایکتا بھی اور سکھ گوروؤں کی عزت بھی مٹ کر رہ جائیگی۔ کیونکہ ہر گورو صاحب کے جوتی جوت سما جانے پر گورو گدی کے لئے جھگڑے پیدا ہوتے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ پرتھیے دھیر مئے۔ اور رام رائیے گورو علیحدہ علیحدہ قائم ہو چکے تھے۔ چنانچہ ان کی علیحدہ سمپردائیں آج تک بھی چلی آرہی ہیں۔ اور باوجود گورو گوبند صاحب کی اس کوشش کے بھی ان کے جوتی جوت سما جانے کے بعد بندئی سکھ۔ نامدھاری سکھ۔ نرنکاری سکھ اور اس قسم کے دیگر فرقے قائم ہو گئے۔

گورو گوبند سنگھ جی ایک مکمل شخصیت تھے۔ اُن کی زندگی کے پانچ مختلف پہلو تھے۔ جن پر غور کرنا ہر ایک سکھ کا فرض ہے۔ (۱) آپ نے اپنے سکھوں کی باقاعدہ تنظیم کی۔ اور انہیں طبعی شکل وصورت یعنی کیس۔ داڑھی اور مونچھ وغیرہ رکھنے کی ہدایت کی۔ انہیں اخلاقی تعلیم دی۔ اور اپنے دہن مبارک سے فرمایا۔

"پرناری کی سیج بھول سُپنے مت جائیو"

(۲) آپ نے آنند پور صاحب۔ پونٹہ صاحب وغیرہ مقامات پر قلعے تعمیر کرائے

جیسا کہ شہنشاہ شاہجہان نے کیا تھا. اور آپ اپنے زمانہ کے ایک قابل زرین جرنیل تھے۔

(۳) آپ نے روحانیت کی تعلیم کے پرچار کے کام کو جو کہ گذشتہ ۲۰۷ سال سے متواتر اور باقاعدہ ہوتا چلا آیا تھا. جاری رکھا۔ اور اس کے آئیندہ جاری رکھے جانیکا اہتمام کر دیا۔

نوٹ کانڈ ١٧ / سطر ٦١٥ سیناپتی گورشوبھا

کرت کوچ آئے تہاں رجپوتن کے دیس

آن آن راجہ ملے یودھا بڑے نریش

چوپئی

سنگھن سلکھّن من میں آنی. بن اُچری پربھ سوں ان بانی

ہو دیال بیاہ پربھ کرو۔ تو ایہہ پگ پگ آگے دھرو

سنت لگاس سیوی پربھ سبھ سماں کین جکم سنگھن کو کینو منگوائے کچھ لین

ساج سمان سبھے انند تور بجائے. بیاہ کرکے پربھ اپنا چلے تاں تے دھائے

لیکن کوی جی کے اس بیان کی دیگر مورخین کے بیانات سے تصدیق نہیں ہو سکی

(۴) آپ ایک سمپورن گرہستی بھی تھے. آپ کی تین بیویاں تھیں اور چار فرزند

تھے۔ بلکہ کوی سیناپتی نے لکھا ہے۔ کہ بہادر شاہ اول کے ساتھ دکن کی جانب جاتے ہوئے آپ نے میواڑ کے علاقہ سے ایک چوتھی شادی بھی کی تھی۔ آپ نے اپنے بچوں کی شہیدی پر کوئی ماتم نہیں کیا۔ نہ ہی ان کے تعزیہ بنا کے جانے کی رسم جاری کی۔ بلکہ جب آپ کی اہلیہ محترمہ ماتا جیتو جی نے نہایت درد کے ساتھ ان سے کہا "کہاں ہیں میرے چاروں بچے"

تو آپ نے نہایت متانت کے ساتھ جواب دیا "چار موئے تو کیا ہوا جیوت کئی ہزار" یعنی اگر ہمارے چار بچے مر گئے ہیں۔ تو کیا ہوا ان کی اس قربانی یعنی بلیدان کی وجہ سے ہمارے ہزاروں بچے زندہ ہیں۔ آپ کی عمر صرف ۹ سال کی تھی جب کہ آپ نے اپنے والد گورو تیغ بہادر جی کو مشورہ دیا تھا۔ کہ انکی اپنی جان کی قربانی دینے سے ہندو قوم زندہ رہ سکتی ہے۔ اور گورو تیغ بہادر جی نے ۱۶۷۵ء میں شہر دہلی کے اندر چاندنی چوک میں سنہری مسجد کے نزدیک جہاں گوردوارہ سیس گنج واقعہ ہے۔ اپنی جان کی قربانی پیش کر کے ہندو قوم کو شہنشاہ اورنگ زیب کے ہاتھوں ملیا میٹ ہونے سے بچا لیا۔

(۵) گورو گوبند سنگھ جی ایک اعلےٰ پایہ کے شاعر بھی تھے۔ آپ نے جو ضخیم گرنتھ ودیا ساگر نامی مرتب کیا تھا۔ اس کا حال ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں۔ آپ کی تصنیف دسم گرنتھ بھی ایک کافی ضخیم الحجم کتاب ہے۔ آپ کی شاعری خدا کی وحدانیت کے پیغام کی حامل ہے۔ اور یہی پیغام آد گرنتھ کا ہے۔ تاہم جن گورو صاحبان کا کلام آد گرنتھ میں شامل ہے۔ ان سب نے تخلص "نانک" ہی استعمال کیا ہے۔ لیکن دسم گرنتھ میں یہ بات موجود نہیں۔ گورو گوبند سنگھ جی نے اپنی کسی بانی

میں تخلص "نانک" کا استعمال نہیں کیا۔

وہ لوگ جو گورو گوبند سنگھ صاحب کی سوانح حیات لکھنے کا قصد فرمادیں ان کو آپ کی زندگی کے مندرجہ بالا پانچ مختلف پہلوؤں پر نظر رکھنی ہوگی۔

اب ہم گورو گوبند سنگھ جی کے ظفرنامہ کے بارہ میں بالتفصیل بیان کرتے ہیں۔ گورو گوبند سنگھ جی کے ظفرنامہ کی عام اور سرسری نوعیت ایک ایسی جاری نظم کی ہے۔ جو کہ زیادہ تر اسلامی روایات نظم کی حامل ہے۔ جس کا آغاز اس طرح سے کیا گیا ہے۔

ایک اونکار۔ حکم ست۔ سری واہگورو جی کی فتح ظفرنامہ سری مکھ واک پاتشاہی ۱۰

(اس کا عربی ترجمہ حسب ذیل ہے قل ھو اللہ احد۔ امر اللہ حق۔ نصر من اللہ ظفرنامہ قال زبان ملک (بادشاہ) ۱۰۔ عربی ترجمہ یہاں اس لئے دیا گیا ہے۔ کہ اس ترجمہ کے جملہ الفاظ قرآنی کلمات ہیں۔)

ظفرنامہ کا منظوم اردو ترجمہ معہ اصل فارسی متن کے پیش کرنے سے پہلے ہم نے دیکھنا ہے کہ اس نظم کی فی الواقعہ نوعیت کیا ہے۔

(۱) ظفرنامہ کی زبان فارسی ہے۔ اسکی صنف مثنوی ہے۔ اس کا بحر متقارب مثمن محذوف (مکسور) ہے جس کے ارکین فعولن فعولن فعولن فعول ہیں

اس بحر میں فارسی زبان کی شہرہ آفاق نظمیں جمشید نامہ دقیقی شاہنامہ فردوسی۔ گیتا کا فارسی ترجمہ علامہ فیضی۔ بوستان سعدی وغیرہ وغیرہ تصنیفات عام دستیاب ہوتی ہیں۔

ایرانی شاعری کی قدیمی روایات کی پیروی اور مطابقت میں یہ بحر رزمیہ

شاعری کے لئے مخصوص تھا۔ لہذا جب فردوسی نے شاہنامہ کے ۶۰ ہزار اشعار جن میں بہت زیادہ تعداد رزمیہ اشعار کی تھی۔ اس بحر میں لکھ ڈالے تو کئی ادبا نے اس پر اعتراض وارد کئے کہ اس بحر کو کس لئے رزمیہ شاعری کے واسطے استعمال کیا گیا ہے؟ لیکن فردوسی کی تقلید میں زمانہ مابعد کے فارسی اور اردو شعرا نے بھی اس بحر کو رزمیہ شاعری کے واسطے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

دیگر اردو ماہانہ رسالہ "پاسبان" کے فروری ۱۹۶۶ء کے شمارہ میں صفحہ ۳۱ پر "سری گورو گوبند سنگھ کا ظفر نامہ" کے عنوان کے تحت جناب ڈاکٹر امرت لال عشرت صاحب نے جو مضمون سپرد قلم فرمایا ہے۔ اس سے ہمارے اس بیان کی مکمل طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ "ظفر نامہ ایک طویل رزمیہ نظم ہے۔ جو فارسی کی قدیم ادبی روایات کے پیش نظر اپنے موضوع کے لحاظ سے بحر متقارب مثمن محذوف میں لکھی گئی ہے۔ فارسی میں رزمیہ نظموں کیلئے اس بحر کا انتخاب باقاعدہ طور پر سب سے پہلے دقیقی نے کیا۔ اسی کے شاہنامے (جمشید نامہ) کی تقلید میں فردوسی نے اپنا زندہ جاوید رزمیہ شاہنامہ موزوں کیا۔ شاہنامہ کے بعد رزمیہ شاعری یا بقول ایرانیاں حماسہ سرائی (؟) کیلئے یہی بحر مناسب خیال کی (؟) جانے لگی (یعنی مناسب خیال کیا جانے لگا)، اسکو بحر حماسہ کا نام دیدیا گیا۔ اور اس سلسلے میں یہاں تک پابندی ہونے لگی۔ کہ جو لوگ دوسرے (دیگر) موضوعات کو اس بحر میں نظم کرتے تھے۔ انہیں ادبی باغی سمجھا جاتا تھا۔ سعدی نے بوستان کے اخلاقی موضوعات کو اس بحر میں نظم کیا ہے چنانچہ انہیں ایرانی ناقد آج بھی قابل اعتراض سمجھتا ہے؟؟ گورو صاحب نے ظفر نامہ کے لئے اس بحر کا انتخاب کر کے فارسی نظم کی ادبی روایات

سے مکمل شناسائی کا ثبوت دیا ہے"

حماسہ (وفات ۸۴۶ء) عرب کے ایک مشہور شاعر کا تخلص ہے۔ حماسہ قصیدہ گو شاعر تھا لہذا ایسے قصیدہ کو جس میں ممدوح کی بے جا تعریف کی جائے حماسہ سرائی کہا جاتا ہے حماسہ بہت عریاں لکھتا تھا۔ ایرانی قصیدہ گو شعرا بھی قصائد لکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایران کے معروف ترین شعرا۔ بدر چاچ۔ عرفی۔ انوری۔ سعدی اور قاآنی زیادہ تر اپنے قصائد کی وجہ سے ہی مشہور ہیں۔ اگرچہ سعدی کی تصنیفات گلستان اور بوستان ہی اس کی شہرت کو دائمی طور پر لازوال بنانے کیلئے کافی ہیں۔ لیکن وہ قصیدہ بھی بہت اچھا لکھتا تھا۔ مگر فردوسی کو قصیدہ گوئی یعنی حماسہ سرائی سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ فردوسی کی معرکتہ الآرا کتاب شاہنامہ ہے۔ جو کہ اول ساٹھ ہزار اشعار کا تھا۔ بعد میں کچھ اس کے اندر اور اضافہ کیا گیا (؟) منشی منوہر لال کا نسخہ شملہ نوابی جنہوں نے شاہنامہ کے ایک انتخاب کا (جو مولانا سعیدی نے کیا تھا) اردو میں ترجمہ ۱۸۷۲ء میں کیا۔ یہ نولکشور پریس سے شائع ہوا تھا۔ اس میں حسب ذیل اشعار ہیں۔

کہے ہے یہ فردوسی نامدار۔ کہے میں نے ہیں شعر اسی ہزار

ختم کردی شاہوں کی اب رزم و بزم۔ بس اب دل کو ہے بزم دیگر کا عزم

لیکن اب شاہنامہ کے صرف ۵۲ ہزار اشعار ہی دستیاب ہوتے ہیں۔ کئی محققین کہتے ہیں کہ یہ اسی ہزار والی بات بالکل غلط ہے۔ جو لوگ اسی ہزار اشعار کے بارہ اصرار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ محمود کی ہجو لکھ کر اور اسکے دربار سے بھاگ کر فردوسی ملک عرب کے ایک شہزادہ کے پاس چلا گیا تھا۔ اور وہاں جا کر اس نے بیس ہزار مزید اشعار

شاہنامہ میں داخل کردیئے۔ مثلاً وہ جملہ اشعار جو کہ رستم کی موت اور سکندر کے ہاتھوں
دارا کی شکست وغیرہ کے بارہ لکھے گئے ہیں یعنی بقول انکے فردوسی نہ صرف
سلطان محمود سے ہی ناراض ہوا بلکہ اپنے چاہیتے ہیرو رستم پہلوان کے ساتھ بھی
ناراض ہوگیا تھا۔ دیگر فردوسی نے ایک ایاز نامہ لکھا۔ جو کہ محمود کی دائمی بدنامی
کا باعث ہے۔ حماسہ سرائی سے فردوسی کا کوئی تعلق نہیں۔ نہ ہی ایرانیوں نے
زیادہ تر حماسہ کو اُبھارا۔ البتہ ملک ہندوستان میں حماسہ کے زیادہ قدردان نکلے
چنانچہ ۱۹۶۲ء میں دیوبند سے ایک دیوان حماسہ کا مع شرح بزبان عربی شائع ہوا
تھا۔ اور ۱۹۶۰ء میں پاکستان سے دیوان حماسہ مع اس کے اردو ترجمہ کے
شائع ہو چکا ہے۔

ایران کے اکثر افراد با غریب فردوسی کے بھی دشمن نکلے۔ شاید اس کی یہ
وجہ ہو کہ ایرانی لوگ اسے رافضی شیعہ مذہب سے متعلق سمجھتے ہیں۔ استاد
ابراہیم پورداد پروفیسر طہران یونیورسٹی رقمطراز ہے کہ ایک بار غزالی کا استاد
قطب الدین مع اپنے چند دیگر شاگردوں کے فردوسی کی قبر کے نزدیک سے گذر
رہا تھا۔ جب کسی نے اس سے کہا کہ فردوسی کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر مرحوم کی رُوح کو
فیض پہنچایئے تو اس نے جواب دیا کہ فردوسی نے اپنی ساری زندگی مجوسیوں (یعنی
آتش پرستوں) کی تعریف کرنے میں گذاری ہے۔ اسلئے فاتحہ خوانی سے ایسے
شخص کی رُوح کو ثواب پہنچانے کی مجھے ضرورت نہیں۔

دسم گرنتھ ۱۷۰۶ء میں مرتب ہوا تھا۔ لیکن کئی محققین کا خیال ہے کہ گورو
گوبند سنگھ جی نے عورتوں کے مکروفریب کی حکایات یعنی استری چرتر کو بقول میکالف

اس میں شامل نہ کیا تھا۔ کیوں کہ بھائی منی سنگھ نے ۱۷۲۸ء میں یہ وچار پرگٹ کیا
تھا۔ کہ اگر سکھا سنگھ اور اس کا ساتھی مہتاب سنگھ مسا رنگڑ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو
گئے۔ تو استری چرتر کو دسم گرنتھ میں شامل کرلیا جائے گا۔ ورنہ نہیں مسا رنگڑ (مصلح الدین
راجپوت ضلع امرتسر) وہ شخص تھا۔ جس نے امرتسر کے گوردوارہ ہرمندر پر قبضہ
کرلیا تھا۔ اور وہ ہرمندر کے اندر (تالاب کے بیچ میں جو عمارت کھڑی ہے) رنڈیوں کا
ناچ مجرا کراتا تھا۔ اور مسند لگا کر بیٹھتا تھا وہاں پر وہ حقّہ بھی پیتا تھا۔ مسا رنگڑ کو قتل
کرنے میں سکھا سنگھ اور اس کا ساتھی کامیاب ہوگئے۔ لہٰذا استری چرتر کو دسم گرنتھ میں شامل
کرلیا گیا۔ بھائی کیسری سنگھ چھبر نے ترتیب دسم گرنتھ کی تاریخ سترہ سو پچپن (۱۶۹۸ء)
لکھی ہے۔ یہ تاریخ تصنیف دسم گرنتھ تو ہو سکتی ہے۔ تاریخ آخری ترتیب نہیں ہو سکتی
کیوں کہ جو واقعات ظفرنامہ میں تحریر ملتے ہیں۔ وہ ۱۷۰۰ء اور ۱۷۰۶ء کے درمیان کے
زمانہ میں وقوع پذیر ہوئے تھے۔ چنانچہ بھائی کیسری سنگھ چھبر اپنی تصنیف بنساولی نامہ
میں لکھتے ہیں۔ "اونھوں صاحب (گورو گوبند سنگھ جی) کانگڑ نوں کوچ کرگئے۔ اوتھے
جائے بیت چودہ سو اچرتے بھئے۔

بچن کیتا جو کوئی سکھ سیس دیوے۔ سو ایہہ اورنگے پاس لے جاوے
دیا سنگھ کھتری سو پتی منشی۔ ہتھ جوڑ کھڑو تا آئے
بچن کیتا ادب نال سو پتی۔ سیوا داس نوں بخشی جائے
گورو مہاراج سکھ دی بینتی پروان کینی۔ آدر کر گلے لا چٹھی ہتھ دینی
تن (دیا سنگھ) کہیا جی تیری کرپا۔ تیرے بل کر آس ہے یعنی
ظفرنامہ کے اشعار کی زیادہ سے زیادہ تعداد جو آج کل دستیاب ہوتی ہے

ذُرہ ۱۴۰۹ ہے لہذا یہ بات صاف طور پر واضح ہوتی ہے کہ یہ تعداد اصل تعداد اشعار کا تخمینًا دو تہائی ($\frac{۱۴۰}{۹۰}$) ہے۔

ظفر نامہ کے بارہ میں مختلف خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بابو جگن ناتھ جی تھے جن کو ۱۹۲۲ء (؟) دو فارسی خط گورودوارہ پٹنہ کے مہنت سے ملے۔ ایک گورو گوبند سنگھ کا خط بنام اورنگ زیب یعنی ظفر نامہ یا فتح نامہ تھا۔ دوسرا چھترپتی سیواجی کی جانب سے اورنگ زیب کے نام تحریر کردہ ایک خط تھا پنڈت راج بلبھ مصرا نے ان خطوط کو نقل کیا۔ اور اُن کو علیحدہ علیحدہ چھپوا لیا۔ اگر ۱۹۲۲ء کی بجائے ۱۸۲۲ء لکھا ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ کیوں کہ ۱۸۸۲ء کے دسم گرنتھ مطبوعہ مشن پریس لاہور میں مضمون ظفر نامہ کا ملتا ہے۔ دسم گرنتھ کا دوسرا ایڈیشن اسی پریس سے یعنی ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا تھا۔

دیگر کہا جاتا ہے کہ ۱۹۱۷ء میں موضع گولڑہ ضلع راولپنڈی میں سید خاندان کی ایک ضعیف عورت رہتی تھی اس کے بزرگ گورو گوبند سنگھ جی ہاں ملازم رہ چکے تھے اس عورت کے پاس ایک لکڑی کے صندوق میں ایک فارسی دستاویز (یعنی ظفر نامہ یا فتح نامہ) رکھی تھی۔ وہ وقتاً فوقتاً اس صندوق کو کھولتی رہتی تھی۔ اور اس دستاویز کے درشن کیا کرتی تھی۔ اور جبھی وہ اس تحریر کے درشن کرتی تو وہ فوراً بیہوش ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن ظفر نامہ کے مضمون میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جسکو پڑھ کر کوئی مسلمان عورت بیہوش ہو جائے۔ یہ بیان شہر لائل پور کے ایک سکھ ڈاکٹر صاحب کا ہے۔ اور جناب نانک چند ناز مرحوم نے اس بیان پر حصر کیا ہے۔ تاہم یہ ایک صریح اور کھلی حقیقت ہے کہ ظفر نامہ دسم گرنتھ

کے آخر میں ملتا ہے۔ پھر اس کے علیحدہ قلمی نسخہ کا دریافت ہونا یا نہ ہونا ایک ہی بات ہے۔ کیونکہ ان قلمی نسخہ جات کی دریافت سے ان اشعار کی تعداد میں جو کہ آج مہیا ہوتے ہیں۔ کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ان سے کسی خاص بات کا انکشاف ہوا ہے۔ ۱۷۱۹ء میں اسلم خاں صوبیدار لاہور نے شہر امرت سر پر حملہ کیا تھا۔ تاکہ وہاں کے سکھوں کو نیست و نابود کر دے۔ چنانچہ اس نے شہر امرت سر کے بہت سے حصہ جات کو نذر آتش بھی کر دیا تھا۔ اس وقت بھائی کیسری سنگھ کی عمر ۷ سال کی تھی۔ اور وہ امرت سر میں خود موجود تھا۔ اور اس نے اسی زمانہ میں ظفرنامہ کے اشعار کی تعداد کا تذکرہ کیا ہے۔ اگرچہ اس کا اول مسودہ ضائع ہو گیا تھا۔ اور اس نے ۱۷۸۱ء میں نیا مسودہ مرتب کیا تھا۔

مسا رنگڑ کے قتل کی تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بقول میکالف یہ ۱۷۲۸ء کا واقعہ ہے۔ بقول جنرل گورڈن ۱۷۴۰ء نادر شاہ کے حملہ کے بعد کا ہے۔ اور کئی مورخین کا قول ہے۔ کہ یہ واقعہ ۱۷۶۱ء کا ہے۔ لیکن میکالف کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ ۱۷۴۰ء میں بھائی منی سنگھ زندہ نہ تھا۔ اور ۱۷۶۱ء کے قریب جو نقول قلمی دسم گرنتھ کی مرتب کی گئیں ان میں اسنری چرتر اور ظفرنامہ دونوں ملتے ہیں۔

شاہ اورنگ زیب نے ۱۷۰۲ء میں گوردوارہ ہر مندر صاحب امرت سر بھی سرکار ضبط کر لیا تھا۔ ۱۷۰۷ء میں ماتا سندری جی کا متبنٰے کردہ پسر صاحبزادہ اجیت سنگھ ثانی بہادر شاہ اول کے دربار میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے نو مہریں (زر سرخ) کی شہنشاہ کا صدقہ اتاریں۔ خواہ بطور نذرانہ کے پیش کیں۔ اور گوردوارہ ہر مندر صاحب بھی ان کے واگذار کیا گیا تھا۔ لیکن ۱۷۱۰ء میں بعہد محمد شاہی گوردوارہ

ہرمندر صاحب دوبارہ ضبط سرکار مغلیہ کر لیا گیا۔

ظفرنامہ کی نوعیت :- ظفر کے معنی ہیں "فتح" اور نامہ کے معنی ہیں خط یا چٹھی
ظفرنامہ کے عام لغوی معنی ہیں۔ فتح نامہ یا وجے پتر

آنکھیں برنگ نقش قدم ہو گئیں سپید۔ نامے کے انتظار میں قاصد کھلا پھرا میر
قسمت کی دیکھئے کہ کبوتر کا گر پڑا۔ وہ پر کہ جس میں تھا مرا نامہ بندھا ہوا۔ داغ
نامہ بر خط میں مری آنکھ بھی رکھ کر لے جا۔ کیا گیا تو جو یہ دیکھنے والی نہ گئی۔ شمس
نہ قاصد نہ صبا ئے نہ مرغ نامہ برے۔ کسے زبیکسی ما براو زند خبرے۔ ناصر نیشاپوری

پس ظفرنامہ کی نسبت آج تک بالعموم یہی رائے قائم رہی ہے۔ کہ یہ زبان فارسی ایک منظوم خط ہے۔ جو کہ ۱۷۰۶ء کے آخر میں سچے پادشاہ گورو گوبند سنگھ جی نے اپنے قیام موضع کانگڑ کے دوران شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے نام روانہ کیا "خط تیار ہو گیا تاں سری صاحب جی نے بھائی دیا سنگھ پیارے نوں ایہہ خط دے کے دکن ول بھیج دتا۔ اتے اوہناں دے نال بھائی دھرم سنگھ جی نوں گھلیا ایہہ دونویں پیارے نیلے پوشاکے پہن کے اتے بانا دھارن کرکے روانہ ہو گئے" اس کے بعد بیان کیا جاتا ہے۔ کہ کافی پس و پیش کے بعد یہ خط یعنی ظفرنامہ شہنشاہ اورنگ زیب کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس نے اس کو اول سے آخر تک سنا۔ اور اس سے بہت متاثر ہوا۔ شہنشاہ نے اس کا جواب بھی لکھوایا اور ظفرنامہ پہنچانے والے سکھوں کے ہاتھ میں وہ جواب دے دیا۔ تاکہ وہ اسے گورو گوبند سنگھ جی کو پہنچا دیں۔ لیکن اس روایت کے بارہ میں کئی شکوک وارد ہوتے ہیں :-

(۱) ظفرنامہ کا مضمون خط کی نوعیت کا نہیں ہے۔ اس کے پہلے حصہ کے ساتھ

گیارہ دیگر حکایتیں جو کہ زیادہ تر بدمعاش مستورات کے پیرمردوں کے ساتھ عشق بازی وغیرہ ان کے مکر و فریب پر منحصر ہیں چسپاں کی ہوئی ہیں۔ ظفر نامہ کا عنوان بھی حکایت اول (داستان) قائم کیا گیا ہے۔ اور ہر حکایت کے آخر میں ساقی نامہ کے دو بیت لکھے ملتے ہیں۔ جن سے ... طور پر ان کا باہم تعلق قائم رکھنا مقصود ہے۔ (۲) شہنشاہ اورنگ زیب کے حالات زندگی کے بارہ میں مصنفین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مثلاً ہاشم خاں عرف خافی خاں نے "منتخب اللباب" کے نام سے ایک بڑی ضخیم تاریخ فارسی زبان میں مغلوں کے بارہ میں بالعہد اورنگ زیب مرتب کی۔ یہ تاریخ ۱۷۶۵ء تک مکمل ہے۔ اورنگ زیب کے کیمپ میں بمقام دکن ایک شخص نعمت علی خاں موجود تھا جس نے اورنگ زیب کے جنگِ دکن کے زمانہ کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ اُن کی کتاب کا نام وقائع نعمت علی خاں ہے۔ فرانسیسی سیاح برنیئر نے اورنگ زیب کی سلطنت اور اس کے عہد کے چشم دید حالات لکھے ہیں۔ سٹوریا دی موگر میں ڈاکٹر منوچی اطالوی نے اس زمانہ کے ہندوستان پر خاص روشنی ڈالی ہے۔ مگر گورو گوبند سنگھ جی کے خط ظفر نامہ کو شہنشاہ اورنگ زیب کے پاس پہنچائے جانے کے بارہ میں قطعاً کسی مورخ نے بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔ خود اورنگ زیب نے اپنے خطوط کا مسودہ موسومہ رقعات عالمگیری اپنے پاس محفوظ رکھا تھا۔ اس میں بھی گورو گوبند سنگھ صاحب کے کسی خط کے پہنچنے یا اس کا جواب لکھے جانے کے بارہ کچھ بھی درج نہیں ہے۔ پھر سکھوں کے پاس بھی اورنگ زیب کی جانب سے لکھا گیا بیان کردہ جواب موجود نہیں۔ نہ ہی اس کا کوئی حوالہ کسی دیگر گوربانی میں ملتا ہے۔

(۳) اورنگ زیب کا ایک وقت میں بیٹھ کر ان ۱۰۹ اشعار کا سننا اور پھر اس کا

اُسی وقت میں جواب لکھوا دینا ایک ناقابلِ یقین بات نظر آتی ہے۔

(۲) دیگر کئی مصنفین نے "ظفر نامہ" کے عنوان کے تحت کتابیں لکھی ہیں جو کہ خط کی نوعیت کی نہیں۔ بلکہ وہ تاریخی یا اتہاسک نوعیت کی ہیں۔ دیگر نامہ کے معنی اتہاس یا تاریخ ظاہر کرنے کے واسطے ہمیں بہت سی اسناد ملتی ہیں۔ جدید ترین سند شاہنامہ کی ایک مشہور داستان "بیژن و منیژہ" کے جنوری ۱۹۶۶ء میں شائع کئے گئے ایک ایڈیشن کی تمہید میں ملتی ہے۔ یہ ایڈیشن رضا شاہ پہلوی شاہ ایران کے عہد کی ۲۵ سالگرہ کے موقعہ پر نہایت خوبی اور اہتمام کے ساتھ معہ رنگین تصاویر کے طہران دارالسلطنت ملک ایران سے شائع ہوا اس کتاب کے دیباچہ سے ذیل کی چند سطریں یہ ثبوت اس بات کے ملاحظہ ہوں۔ کہ جدید فارسی میں بھی لفظ "نامہ" سے مراد تاریخ یا اتہاس ہے نہ کہ خط۔ "شاہنامہ کہ سرائیدہ فردوسی و گویای کردار پہلوانی ناموران و اسعیانے ست و بخشی از آں ہم ورکارنامہ (تاریخ) سرزمین ماست" یہ عبارت استاد ابراہیم پورداد پروفیسر طہران یونیورسٹی کی نوشتہ ہے۔ اور کتاب مذکورہ کے صفحہ ۸ پر ملتی ہے۔ مطلب "شاہنامہ فردوسی کا لکھا ہوا ہے۔ اور اس میں نامور پہلوانوں کے کردار کا بیان (داستان) ہے۔ اور بہت سے بیانات اس کے میرے ملک (ایران) کی سرزمین کے تاریخی واقعات ہیں"

رسالہ سپوکسمین (SPOKESMAN) کے نومبر ۱۹۶۵ء کے شمارہ میں ڈاکٹر موہن سنگھ صاحب ایم۔اے پی۔ایچ۔ڈی۔ ڈی لٹ نے

"نیو لائٹ آن گورو گوبند سنگھ" کے عنوان کے تحت شائع کرایا ہے۔ جس میں آپ نے ظفر نامہ کے شہنشاہ اورنگ زیب تک پہنچائے جانے کے موضوع پر بھی تنقیدی روشنی ڈالی ہے۔

"ظفر نامہ ایک لحاظ سے گورو گوبند سنگھ جی کی سوانح عمری بزبان ہندی موسومہ بچتر ناٹک کا بزبان فارسی ایک قسم کا ضمیمہ ہے۔ اور گورو صاحب کے ان مصائب کا تذکرہ جو کہ انہیں آنند پور کو چھوڑنے سے پہلے اور بعد میں مغل فوج کی جانب سے پیش آئے۔ ظفر نامہ کی عبارت ابھی تک ترمیم اور تعین کی محتاج ہے۔ اور اسکو ترمیم کرنے کے بعد بھی ظفر نامہ فارسی زبان کی نظم کا اصولوں کے مطابق صحیح نمونہ نہ بن سکیگا۔ کیونکہ باوجود اس امر کے کہ گورو صاحب نے نہایت پُرزور طریقہ پر اور کامیابی سے اپنے مطالب کا بیان کیا ہے آپ فارسی زبان کے شاعر نہ تھے۔

اس بات کا کہ یہ نامہ اورنگ زیب تک پہنچا۔ تاریخی طور پر کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ کجا اس بات کا کہ اس (اورنگ زیب) نے اس خط کی جانب مشفقانہ توجہ فرمائی تھی۔ اس خط کا مطلب (جیسا کہ میرے مسودہ کے اقتباسات سے جو میں نے ان صفحات میں پیش کئے ہیں۔ ظاہر ہے) اورنگ زیب (اور اس کے افسران) کو غلط ثابت کرنے اور شرمساری سے ذلیل کرنے کا تھا۔ دیگر اس کو محسوس کرانا مقصود تھا کہ وہ اصولاً اور عملاً بے حد کذب بیانی جعل و مکر کا اور بے رحمی کے افعال کا مرتکب بنا ہے نیز اس شخص کے خلاف جس نے اسکو اپنے کسی فعل کے ذریعہ سے سیاسی سماجی یا اخلاقی طور

پر کبھی اکسایا یا برانگیختہ نہ کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ (بحوالہ صفحہ ۱۲ کالم ۳ فقرہ ۲)
اس کے بعد جناب ڈاکٹر صاحب صفحہ ۱۴ پر رقم فرماتے ہیں "گورسوبھا میں جو بیان بھائی دیا سنگھ کے سفر دکن کے بارہ اورنگ زیب کو خط پہنچانے کے بارہ اور اورنگ زیب کی اس خط پر مشفقانہ توجہ کی نسبت تحریر کیا وہ ایک لغو فرضی افسانہ ہے۔"

جن پُر زور الفاظ میں جناب ڈاکٹر موہن سنگھ جی نے ظفر نامہ کے بارہ میں تحریر فرمایا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ ہم ایسے پرزور الفاظ کے استعمال کا خود کو قابل نہیں سمجھتے۔ لیکن ہمیں جناب ڈاکٹر موہن سنگھ جی کی رائے سے پورا پورا اتفاق ہے۔ اور جناب ڈاکٹر موہن سنگھ کی رائے کا "فارسی زبان میں ہندوؤں کا حصہ" کے قابل مصنف ڈاکٹر عبدالقادر ڈی۔ لٹ نے بھی آج سے قریباً ۱۴ سال پہلے کتاب مذکورہ میں اعادہ کیا تھا اگرچہ وہ اظہار رائے اتنے پُر زور الفاظ میں نہ تھا۔ اور نہ ہی وہ اتنا طویل اور محققانہ تھا۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ ہمارا اپنا خیال ہے کہ ظفر نامہ خط نہیں ہے، بلکہ وہ ایک منظوم تاریخ یا اتہاس کی کتاب ہے۔ جس میں گورو گوبند سنگھ جی نے منجملہ گیارہ دیگر حکایات کے شہنشاہ اورنگ زیب اور اپنے مابین گذرے کچھ حالات کے بارہ عین آغاز کتاب میں ایک حکائیت (داستان) درج کر دی گئی ہے۔ بارھویں حکایت کے اختتام پر ساقی نامہ کے جو دو اشعار ملتے ہیں۔ ان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ کہ ظفر نامہ کا کچھ آئندہ حصہ یعنی حکایت بارہ سے آگے کا ضائع ہو چکا ہے۔ باقی سب حکایات ایک دوسرے کے ساتھ بذریعہ اشعار ساقی نامہ

کے باہم ملحق دکھائی گئی ہیں۔ ہمارے اس بیان کے بارہ میں اندرونی شہادت نہایت صریح مہیا ہوتی ہے۔ جو کہ ذیل میں درج کی گئی ہے۔

ظفرنامہ کے عنوان کے تحت کئی ایک فارسی شعرانے تاریخی مثنویاں لکھی ہیں اور ان میں سے اکثر ابھی تک بے خبر ہیں۔ جن میں کہ گورو گوبند سنگھ جی کا ظفرنامہ تحریر ہوا ہے۔ ہم نے آٹھ دس ایسے ظفرنامے مختلف شعرا کے تصنیف کردہ دیکھے ہیں۔ لہٰذا ہم ان کا مجملاً ذکر نیچے درج کرتے ہیں۔

(۱) ظفرنامہ مثنوی امیر خسرو۔ یہ کتاب ہم نے قلمی مسودہ کی شکل میں ۱۹۲۹ء میں دیکھی تھی۔ امیر خسرو ہندوستان کا ایک مشہور شاعر اور ادیب ہو گزرا ہے۔ یہ بارھویں صدی کا ادیب ہے۔ اور نظام الدین اولیا کی خدمت میں امیر خسرو اکثر حاضر رہتا تھا۔ جناب فرید شکر گنج بانی گدی نشینان پاکپٹن بھی اسی زمانہ میں ہوئے ہیں۔ خواجہ معین الدین اجمیری کے مرید خواجہ قطب الدین بختیار کاکی تھے اور جناب کاکی صاحب کے مرید جناب فرید شکر گنج صاحب تھے۔ اور فرید صاحب کے مرید نظام الدین اولیا تھے۔ جناب امیر خسرو کی اس مثنوی ظفرنامہ کا موضوع اسلامی فلسفہ ہے۔ اس میں چند داستانیں بھی درج ہیں۔ نمونہ کے چند شعر جو کہ آغاز مثنوی مذکورہ کا ہیں نیچے درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) سرنامہ بنام آں خداوند۔ کہ دلہا را بخوباں داد پیوند

آغاز اس نامہ کا خداوند کریم کے نام سے کرتا ہوں۔ جس نے انسانوں کے دلوں کو محبوباں (یعنی معشوقوں) کی محبت کے ساتھ پیوند کیا یعنی جوڑ دیا۔ مطلب اس خدا کے نام سے اس نامہ کا آغاز کرتا ہوں۔ جس نے دل انسان کے اندر عشق کا

جذبہ پیدا کیا۔ چنانچہ اس جذبہ عشق کے تحت انسان بڑے سے بڑے کام کر سکتا ہے
بقول ڈاکٹر اقبال کے پہاڑوں کو بھی اکھاڑ کر پرے پھینک سکتا ہے۔
تیشہ اگر بسنگ زد ایں چہ مقام گفتگو۔ عشق بدوش می برد ایں ہمہ کوہسار را
اگر (فرہاد) نے پتھر کو تیشہ سے تراش دیا تو کون سی بات کہنے سننے کی ہے
عاشقان صادق تو پہاڑوں کو کندھے پر اٹھا کر لیجایا کرتے ہیں۔
دل سنگین خسرو پر نہ ضرب کوہکن پہنچی۔ اگر تیشہ سر کوہسار پر مارا تو کیا مارا۔ ذوق
(۲) زکاف و نون کہ رمز شکل است۔ یکے نقط برخت جادہ دل است
کلمہ کاف و نون (یعنی کن) سے خداوند کریم دنیا کو اسکی موجودہ شکل میں لایا۔
اور معشوق کے رخسار پر جو ایک نقطہ نون کا شکل سیاہ خال کے ہے۔ وہ دل عاشق کے
واسطے قربان گاہ ہے۔ یعنی کاف زلف محبوب کی ہے۔ اور نقطہ نون کا محبوب کے رخ
کا خال ہے۔ جو عاشق کی قربان گاہ ہے۔

شعر

کن کے کہنے سے کیا عالم بپا۔ اور جب چاہے اسے کر دے تباہ

(۳) زعشق آراست لوح آب و گل را۔ بداں جانِ زندگی بخشید دل را
کیچڑ کی تختی (یعنی بتِ انسانی) کو خداوند کریم نے جذبہ عشق سے آراستہ
کیا اور سجایا۔ جس سے کہ دل انسانی میں زندگی یعنی تازگی پیدا ہو گئی۔

(۴) چناں آراست ہر یک را کمالش۔ کہ مقناطیس دلہا شد جمالش
ہر محبوب کو خداوند کریم نے اس طرح سے آراستہ پیراستہ کیا اور دلکش بنایا
کہ اس کا جمال انسانی دلوں کو اپنی طرف کھینچنے میں مقناطیس جیسی صفت کشش کی
رکھنے والا ہو گیا۔

(۵) بتانِ چین را چہ خوبی طرازی۔ پدید آورد بہر عشق بازی

الف (۵) بتانِ چین و خوبانِ تاتاری۔ مہیا کرد بہر عشق و یاری

جناب خسرو نے رسم شعر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اِن پھیڑے ناک والیوں کی یعنی بتانِ چینی کی تعریف فرما دی ہے۔ ورنہ کہاں دلی کی پریاں اور کہاں وہ نکٹی چینی عورتیں۔ دیگر الف (۵) خوباں تاتاری کی تعریف جناب حافظ شیرازی نے بھی کی ہے۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ ما را۔ بخالِ ہندوش غشم سمرقند و بخارا را

(۶) ز زلف و رُخ بتاں را روز و شب داد۔ وزاں نظارۂ جانہا طرب داد

معشوقوں کی زلفیں سیاہ رات کی مانند ہیں اور اُن کے چہرے روزِ روشن ہیں۔ عاشقوں کے دل و جان اس کرشمہ لیل و نہار کو دیکھ دیکھ کر شاداں اور مسرور رہتے ہیں۔

(۷) کرشمہ داد چشم نیکو آنرا۔ شکار شیر فرمود آہوا نرا

معشوقوں کی خولصورت آنکھوں میں خداوند تعالےٰ نے گویا جادو (اعجاز) بھر دیا ہے۔ اور ان ہرنوں کو حکم دے دیا ہے کہ شیر دل عاشقوں کا شکار کریں۔

(۸) یکے را شمع وصل از دست افروز۔ یکے را آتش ہجراں دہد سوز

کسی کے وصل (ملاپ) کی (رات کی) شمع کو اپنے ہاتھ سے جلا دیتا ہے کسی کو آتش ہجر کی بھٹی میں جلنے کیواسطے پھینک دیتا ہے۔

(۹) گہی در پیش شاد رواں اسرار۔ نماید جلوہ منصور بر دار

کہیں رازِ الہی کی دریافت کے راستہ پر خوش خوش چلنے والوں کی رہنمائی

اور ہدایت کی خاطر منصور کو دار پر لٹکا کر نشانِ منزل وصل کا پتہ دیتا ہے۔
چڑھا منصور سولی پر پکارا عشق بازوں سے۔ یہ اسکے بام کی سیڑھی ہے آئے جسکا جی چاہے

(۱۰) جمالِ داد احمد راہ زورگاہ۔ کہ خاک افتاد زاں در سینہ ماہ

اس طرح حضرت محمد کو اپنے دروازہ پر بلا کر دیدار دیا۔ کہ اس سے چاند کے سینہ پر خاک کے دھبے (نشان) پڑ گئے یعنی شب معراج کو حضرت محمد کے گھوڑے کے سموں سے جو گرد اڑی وہ چاند کے سینہ پر جاکر بشکل سیاہ داغوں کے رونما ہوئی۔ کیونکہ حضرت محمد اس شب کو اپنے براق پر سوار ہو کر چاند سے بہت بہت اونچے اڑے تھے۔

نوٹ:۔ بحر اس ظفر نامہ امیر خسرو کا ہزج (دشمن مکسور) ہے۔

مفاعیلن۔ مفاعیلن۔ مفاعیل۔

(۲) تاریخ ادبیات ایران در عہد مغولاں مصنفہ ایڈورڈ براؤن کا اردو زبان میں ترجمہ محمد داؤد رہبر ایم۔اے نے ۱۹۵۷ء میں کیا تھا۔ اور یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی بمقام لاہور نے شائع کروائی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۵۸ پر مولانا حمد اللہ مستوفی قزوینی۔ کے ظفر نامہ کا ذکر ملتا ہے۔" یہ مثنوی ظفر نامہ جو پانچ برس بعد (۱۳۳۵ء) مکمل ہوئی دراصل شاہنامہ فردوسی کی ذیل ہے۔

ظفر نامہ پیغمبر اسلام کے وقائع عمری سے شروع ہوتا ہے اور مصنف کے اپنے عہد یعنی ۱۳۳۱-۳۲ء تک آتا ہے" ۷ شعبان ۶۱۷ھ ہجری۔
(۷ اکتوبر ۱۲۲۰ء) شہر قزوین میں مغلوں کے داخلہ اور تاخت و تاراج کے بارہ جو اشعار اس ظفر نامہ میں ملتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک بطور نمونہ کے

ذیل ہیں۔ درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) مغل اندر آمد بہ قزدین دلیر۔ سر بیکناں را آورد بتہ زیر
مغل نہائیت دلیری کے ساتھ شہر قزدین کے اندر گھس آئے اور سب مخالفین کے سر انہوں نے نیچے کر دکھائے۔

(۲) نداد ند کس را بہ قزدین اماں۔ سر آمد سراں را بسر زماں
شہر قزدین کے اندر کسی کو جان کی اماں نہ دی گئی۔ تمام عمائدین شہر کے سر اسی وقت اتار کر رکھ دیئے گئے۔

(۳) ز خرد و بزرگ او ز پیر و جواں۔ نماند کسی را تن در رواں
کوئی بچہ بوڑھا یا جوان ان کی دستبرد سے نہ بچا۔ اور کسی کے تن میں انہوں نے دورہ خون کی رمک یعنی زندگی نہ رہنے دی۔

(۴) زن و مرد ہر جا بسے کشتہ شد۔ ہمہ شہر را بخت برگشتہ شد
عورتیں اور مرد سب جگہ بے شمار قتل ہوئے اور سارے شہر کا نصیبہ بگڑ گیا

(۵) بسے خوب رویاں ز بیم سپاہ۔ بکردند خود را بخیرہ تباہ
بہت سی خوبصورت عورتوں نے مغل سپاہیوں کے خوف کے مارے خود کو بے آبرو اپنے ہاتھوں خود ہی ختم کر لیا یعنی خودکشی کر لی۔

(۶) ز تخم نبی بے کراں دختراں۔ فروزندہ چوں بر فلک اختراں

(۷) ز بیم بدلشکر رزم خواہ۔ نگوں در فگندند خود را بچاہ
تخم نبی سے یعنی (سید زادیاں) بہت سی اسی شہر کے اندر رہتی تھیں۔ جو کہ حسن میں فلک کے اوپر تاروں کی مانند چمکنے والی تھیں۔ بد قماش مغل لشکریوں کے

خوف سے وہ سر کے بل کنوؤں میں کود کر مر گئیں۔
نوٹ :۔ اس مثنوی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ کس لئے گورو گوبند سنگھ جی نے اپنے سکھوں کو حکم دیا تھا۔ کہ وہ بچوں، اور بوڑھوں کو قتل نہ کریں۔
"بردھ کی بیچ سری صاحب جی سہائے" دیگر
"ترکنی کے ساتھ یدھ یعنی (زنا) کرنے کے بارہ"
کیوں آپ نے خاص ہدایت فرمائی تھی۔ اس کی وجہ یہی تھی۔ کہ اگرچہ وہ سکھوں کو میدانِ جنگ کا شیر بنانا چاہتے تھے۔ مگر وہ انکو زانی اور بدکار نہیں بنانا چاہتے تھے۔ قاضی نورالدین نے جو کہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے ساتھ ہندوستان میں آیا تھا۔ ایک مثنوی جنگ نامہ کے نام سے بزبان فارسی لکھی ہے۔ اس میں اس نے سکھوں کو سگ (کُتے) اور کافر خطاب کیا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے۔ کہ یہ سگ پامال دشمن کی بہو بیٹیوں کے ساتھ زنا کے ہرگز مرتکب نہیں ہوتے نہ ہی گرے ہوئے دشمن پر ظلم ڈھاتے ہیں، اور کہ ان کتوں کا اخلاق بلند پایہ کا ہے۔
(۳) ظفر نامہ مصنفہ شرف الدین علی یزدی ۱۴۲۴ء بزبان فارسی یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ بہت سی نثر ہے۔ اور تقریباً نوسو اشعار بھی ہیں۔ ایشیاٹک سوسائیٹی بنگال نے ۱۸۸۷ء میں بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ سے شائع کرائی تھی یہ کتاب امیر تیمور اور اس کی فتوحات کے بارہ میں ہے۔ اور ان کے بعد امیر تیمور کا ذکر ہے۔ مصنف (شرف الدین) امیر تیمور کا درباری شاعر بھی تھا۔ جہاں تک فصاحت اور بلاغت اور رنگینی کلام کا تعلق ہے شرف الدین کا ظفر نامہ فارسی ادب

میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ نظم و نثر ہر دو صنف میں ملا شرف الدین اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو ؎

(۱) بنام خدائی کہ از نام اوست۔ کہ مارا توانائی گفت و گو است

اس خداوند کے نام سے آغاز کرتا ہوں کہ جس نے خدائی (خلقت) کو پیدا کیا۔ اور نوعِ انسان کو طاقت گویائی یعنی بات چیت کرنے کی طاقت دیکر پیدا کیا۔

یہ شیخ سعدیؒ کے بوستان کے شعر اول کا نعم البدل ہے۔

بنام جہاندار جاں آفریں۔ حکیمے سخن بر زباں آفریں

آغاز کرتا ہوں اس اللہ کے نام سے کہ بادشاہ جہانوں کا اور جانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہ خداوند عقلِ کل دانا و بینا ہے۔ انسان کی زبان کو طاقت بامعنی بات کرنے کی عطا کی۔

(۲) خداوند کل آشکار و نہاں۔ نہاں آشکارا نبزوش عیاں

وہ خدا جاننے والا سب باتوں سے خواہ وہ ظاہر ہوں یا کہ پوشیدہ جس بات کو ہم پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ اس سے کوئی بھی واقف نہیں اُسکا راز خدا پر بالکل ظاہر اور عیاں ہوتا ہے جیسا کہ وہ اسے نزدیک سے دیکھ رہا ہو

(۳) بسطر از ندہ پیکر آفتاب۔ نگارندۂ نقش ما از آب

وہ خدا جس نے آفتاب کا خوبصورت چہرہ بنایا اور پانی کے قطرے (منی) سے انسان کی تصویر گھڑ کر رکھدی۔

(۴) خدائی کہ ہستی ہمہ او را سزا است۔ بجز ہستی او فنا در فنا است

تخلیق عالم کی جو ہم دیکھتے ہیں یہ اسی خدا کی تخلیق ہے اور سوائے اُس

ذاتِ پاک کی ہستی کے اس دُنیا کی ہر ایک شے فنا ہونے والی ہے۔

(۵) جہاں می نماید کہ ہست ارچہ نیست۔ بجز ظلِ ہستی حق داں یکیست

جہاں کو اس خُدا نے ہماری آنکھوں کے سامنے رکھا ہے گویا کہ وہ جہاں عالم موجودات میں سے ہے حالانکہ جہاں کوئی ہے ہی نہیں سوائے اس واحد ذات پاک کے سایہ کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ غالب "ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے"

(۶) زہی صنع کامل کہ از یک وجود۔ پدیدار بشد ہر چہ ہست آنچہ بود

وہ کامل قدرت رکھنے والا کاریگر کہ جس نے صرف ایک انسان (یعنی حضرت آدم) کے وجود سے وہ تمام مخلوق پیدا کی ہے جس کو کہ ہم تمام روئے زمین پر پھیلا ہوا دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ سعدی نے فرمایا ہے۔ ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند۔ کہ در آفرینش زیک جوہر اند

تمام اولاد آدم یعنی انسان ایک دوسرے کے اعضا ہیں۔ کیونکہ پیدا کئے جانے میں وہ سب ایک واحد "جوہر" یعنی آدم کے نطفہ اور حوا کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۷) زیک خم برآورد صد گونہ رنگ۔ فلک باشتاب و زمیں بادرنگ

ایک ہی پانی کے گھڑے سے اس نے رنگا رنگ اشیأ پیدا کر دکھائی ہیں۔ اسی مٹی پانی اور ہوا سے اس نے تیز گھومنے والا آسمان پیدا کیا۔ اور انہیں اجزأ سے ساکن رہنے والی زمین پیدا کی۔ آغا مرزا ہادی حسن نے ۱۹۵۷ء میں ایک مختصر ترجمہ سنسکرت زبان کے مہاں کوی کالیداس کے ڈرامہ شکنتلا کا بزبان فارسی کیا ہے۔ اس میں راجہ دشینت کی رانی ہنس پدیکا ایک شعر گاتی ہے

زیک خم دہد ساقی روزگار۔ ترا صاف صاف و مرا دُرد دُرد

مطلب۔ ایک ہی گھڑے (قسمت کے مٹکے) سے زمانہ بھر کو پلانے والا ساقی۔ خداوندکریم تمھیں تو صاف صاف نتھری ہوئی شراب ڈال کر دے رہا ہے۔ اور مجھے نیچے کی گدلی گدلی شراب پیش کر رہا ہے۔

(۸) زیک شاخ است آنچہ بینی بہار۔ ز نرمی گل تا درشتی خار

جو پھل تم درختوں کی شاخوں پر لگے دیکھتے ہو نازک اندام گلاب کے پھول کی ملائمیت سے لیکر خار (کانٹے) کی سختی تک جو بھی اشیاء ہیں۔ وہ سب کی آغاز عالم میں ایک ہی شاخ سے پیدا ہوئی ہیں

(۹) اگر طالبی آفرینندہ را۔ مبالا بغیرش دو بینندہ را

اگر تو خالق دُنیا کو ڈھونڈتا ہے۔ تو وہ صرف واحد خداوند پاک ہے پس کسی دوسرے کا تصور اپنے دل میں مت لا۔ اور اپنے دل کو اسی ایک میں لگا دے۔

(۱۰) کہ ہستی غیرش برائے صواب۔ خیا لست ہمچوں فریب سراب

خُدا کے ساتھ کسی دوسرے کا تصور برائے حاصل کرنے ثواب دینی کے رکھنا ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ سراب کو چشمہ آب اور مرغزار تصور کر لینا۔

(۱۱) یقین است کا دل خدا بود و بس۔ دریں خود نیفتد لشک ہیچکس

پس اپنے دل میں تو پختہ یقین کر لے کہ خدا واحد ھو لا شریک ہے۔ اور کسی شخص کو اس بات کے بارہ شک و شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس میں شک لانے والا کافر ہے لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ کلمہ شہادت کا جزو اہم ہے۔ اور بعد اس کے اقرار

رسالت نبوی ہے۔

(۴) ظفر نامہ نوشیروانی

یہ بھی فارسی زبان میں ہے۔ بہت عرصہ ہوا۔ اس کی ایک جلد قلمی نسخہ دہلی کی ہارڈنگ لائبریری میں دیکھی گئی۔ اب وہ عرصہ سے گم ہو چکی ہے۔ البتہ اندراج اس کا فارسی تاریخ کے عنوان کے تحت ابھی تک ملتا ہے۔ مصنف کا نام اور وطن اب یاد نہیں رہا۔ بحر اس مثنوی کا وہی ہے جو کہ گورو گوبند جی کے ظفر نامہ کا ہے۔ اس ظفر نامہ میں نوشیرواں عادل کے حالات اور چند حکایات اس مشہور عالم جوشی بادشاہ کے بارہ میں درج کی گئی ہیں۔ حضرت محمدؐ کی پیدائش کا بھی ذکر ہے۔ روائت ہے کہ جب حضرت محمدؐ پیدا ہوئے تو عین اُسی وقت میں ایک سخت زلزلہ یعنی بھونچال آیا تھا۔ اور اس زلزلہ کی وجہ سے خانہ کعبہ کے بُت اوندھے مُنہ گر پڑے تھے۔ دیگر نوشیرواں عادل شاہ ایران کے محل کا ایک کنگرہ بھی گر گیا تھا۔ پنجابی کے مشہور زمانہ شاعر سید وارث شاہ کی ایک قلمی کتاب میں اس کی لکھی ہوئی نعت پڑھنے کا اتفاق ہمکو نومبر ۱۹۱۸ء میں ہوا۔ اس میں اس واقعہ کا ذکر دیکھا۔ شعر

تسیں دنیا تے جد تشریف آندی۔ حویلی کنب گئی نوشیرواں دی

ظفر نامہ نوشیروانی مذکورہ میں بھی اسی شعر کے مضمون کو بزبان فارسی نظم کیا ہوا ہے۔

ظہور نبی سرورِ دو جہاں۔ زمیں بوس شد قصر نوشیرواں

(۵) بنگالی زبان میں ایک مثنوی "رسول وجے پاتی" کے عنوان کے تحت

لکھی ملتی ہے۔ یہ کسی بنگالی شاعر علاؤ دین کی تصنیف ۱۳۲۵ھ کی ہے۔ پاتی کے معنے خط کے ہیں۔ جیسا کہ کسی پوربیے شاعر نے کہا ہے

"کہو منی جن کیسی پاتی کون دیس سے آئی۔ دیکھ پاتی دلگیر بھئے تم پڑھکے دیو سنائی"

مطلب۔ اے منی جی آپکو کیسی چھٹی (پاتی) موصول ہوئی ہے جسکو دیکھ کر آپ اتنے دلگیر ہو گئے ہیں ہمکو بھی یہ چھٹی پڑھ کر سنا دیجئے۔

یہ ظفر نامہ ایک فرضی افسانہ حضرت محمد اور ملک ہندوستان کے کسی بہت بڑے طاقتور ہندو یودھا کے مابین جنگ کے بارہ میں ہے۔ مصنف جو غالباً کوئی نو مسلم برہمن تھا حضرت علی امام حسن۔ امام حسین اور عباس وغیرہ جانبازاں اسلام کو مع صحابہ کرام کے ملک ہندوستان میں کھینچ لایا ہے۔ چنانچہ اس نے پیش نظر اغراض اپنے افسانہ کے حضرت محمد کو ایک ہندو راجہ وجے پال کے محل میں مہمان بنا کر ٹھہرایا ہے۔ حال میں ہی مشرقی پاکستان میں اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جو کہ ۱۷۹۳ء کی تحریر معلوم ہوتا ہے۔ دستیاب ہوا ہے جس طرح کہ ہمارے معروف مرثیہ خواں شعرا جناب انیس اور دبیر نے جنگ کربلا کا ذکر کرتے ہوئے حضرۃ زینب ہمشیرہ حسن امام کا کردار خالص ہندوستانی عورت کا دکھایا ہے۔ مثلاً مرزا انیس نے اشعار جنگ کربلا کے بارہ میں کہا ہے سہ

سہ۔ آینگا چین صدقہ اتاروں گی میں بھائی۔ "بن بیاہے" کیوں اکبر نے مرے لاش اٹھائی

اسی طرح رسول وجے پاتی میں بھی حضرت محمد و دیگر مجاہدین اسلام کو گویا نو مسلم بنگالی برہمنوں کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی جو کہ قلمی مسودہ کی شکل میں ہے عام اشاعت کا ابھی تک انتظار ہے۔

(۶) ایک ظفر نامہ مولانا عبداللہ ہاتفی کا بزبان فارسی لکھا ہوا ملتا ہے۔

یہ اکتوبر ۱۸۶۹ء میں مطبع نامی گرامی نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ یہ بھی صاحب قران امیر تیمور کی فتوحات کے بارہ لکھا گیا ہے۔ تعداد اشعار کی ۱۸۹۲ ہے۔ نمونہ کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

(۱) بنام خدائی کہ فکر و خرد۔ نیارد کہ تا کنہ او پے برد

اس خدا کے نام سے آغاز کتاب کا کرتا ہوں کہ عقل و فکر انسان کی اس کے پیچھے خیال کے گھوڑے دوڑا کر اس کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔

(۲) ہمیں دیداز و عقل چوں بنگرلیت۔ کہ ہست او ولیکن ندانست چیست

بذریعہ تصور کے جس شکل میں انسانی عقل اسے چاہے دیکھ لے۔ عقل انسانی اتنا تو معلوم کر سکتی ہے۔ کہ وہ (خدا) ہے۔ لیکن یہ نہیں جان سکتی کہ کیسا ہے؟

(۳) چہ ہستی کہ شد ہست از و ہر چہ ہست۔ زبردست ہر دست او را ست دست

جو کچھ کہ عالم موجودات میں ہے۔ سب اسی (خدا) کا پیدا کیا ہوا ہے اور ہر زبردست کے داہنے ہاتھ میں جو طاقت ہے وہ سب اسی کے ہاتھ کے سہارے سے ہے یعنی اسی کی بخشی ہوئی ہے۔

(۴) بزرگی کہ ہرگز نبود است خرد۔ بسوئے آں بزرگی خلل را بزد

کسی انسان کی بزرگی خداوند کریم کی بزرگی کے مقابلہ پر ہرگز ہرگز نہیں لائی جا سکتی ہے۔ اور وہ عقل بزرگی شمار نہیں ہو سکتی۔ جو کہ انسان کے عقیدہ راست (ایمان خداوندی) میں خلل انداز ہو۔

اس شعر میں منطق یونانیاں کی جانب اشارہ ہے کہ ان کی عقل رہنمائی

بیدینی کی ترقی تھی جیسا کہ مولانا روم نے فرمایا ہے۔

چند خواندی حکمت یونانیاں۔ حکمت ایمانیاں راہم بخواں

اے حکیم فلاسفر تو نے یونانی حکما کا فلسفہ اور منطق تو پڑھ لیا اور ہر دلیل کو رد کرنا سیکھ گیا۔ لیکن ایمان رکھنے والوں کے فلسفہ اور حکمت کو بھی سیکھ

شعر۔ دلیلِ منطقیِ ایرانی وجامی۔ دلیلِ اندر دلیلِ ناتمامی

(۵) بصیر و سمیع است بے چشم و گوش۔ منزّہ بود علمش از عقل و ہوش

اگر خداوند کریم کی بصارت ۔ آنکھیں نہیں مگر وہ دیکھتا ہے اگرچہ اس کے کان نہیں مگر وہ سنتا ہے۔ اس کا علم عقل و ہوش سے دوری پرتے وہ بے خودی سے حاصل ہوتا ہے۔ تاہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خداوند نے انسان کو اپنی شکل میں پیدا کیا تھا یعنی کہ خدا کی شکل انسان (مرد) جیسی ہے سید وارث شاہ کا شعر ہے

صواد صاف صورت شکل مرد دی اے۔ اتے رن دی میم موقوف ہے نی

رانجھا اپنی معشوقہ ہیر کی نند سہتی سے کہتا ہے کہ مرد کی شکل تو خداوند تعالیٰ کی اپنی شکل ہے۔ اور عورت شیطان کی ورغلائی ہوئی "مردود" شے ہے یعنی رد کی ہوئی اور بباعث نافرمانی کے راندہ درگاہ الٰہی ہے دیگر۔

وارث شاہ ولایتی مرد میوہ۔ اتے رن مسواک دا صوف ہے نی

مرد تو ولایت (کشمیر) کا میوہ ہے اور عورت محض مسواک کا صوف ہے جو اگرچہ شکل ثمر کے چبایا جاتا ہے مگر اس کو میوہ نہیں کہا جا سکتا۔

(۶) بصیری کہ در پردہ ہائے خیال۔ نہاں گشتہ گانرا ببیند جمال

وہ خداوند کریم ایسی بصیرت (بینائی) رکھتا ہے کہ جو چیز کسی انسان نے

پردہ ہائے کے اندر مخفی رکھی ہوئی ہو وہ اسکو (یعنی خدا کو) ظاہر اور عیاں نظر آتی ہے۔

(۷) رحیمی کہ بر ہیچکس در نہ لبست۔ اگر بت پرست است اگر حق پرست

ایسا رحیم ہے وہ خدا کہ اپنے رزق کا دروازہ وہ کسی پر بند نہیں کرتا چاہے وہ انسان بت پرست ہو یا کہ حق پرست ہو۔

(۸) کریمی کہ آں خوان احساں نہاد۔ بر آں خواں نہاد آنکہ نتواں نہاد

وہ کریم کہ اپنے احسان (رزق) کا ایسا خوان بچھا رکھا ہے کہ کوئی بھی دستر خوان بچھانے والے اس کے مقابلہ پر خوانِ نعمت (احسان) نہیں بچھا سکتا

نوٹ:۔ ساتواں اور آٹھواں شعر شیخ سعدی کے اشعار بوستان کے مقابلہ پر ہیں۔ بوستان کے وہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

(۷) ولیکن خداوند بالا و پست۔ ز عصیاں در رازق بر کس نہ لبست

لیکن خداوند ہر دو عالم نے بباعث گناہ کے کسی شخص پر کبھی اس کے رزق کا دروازہ بند نہیں کیا۔

(۸) ادیم زمین سفرۂ عام اوست۔ بر ایں خوانِ چہ دشمن چہ دوست

ساری زمین گویا کہ سفرا اس کے دستر خوان کا ہے اور اس کا ہر دوست خواہ دشمن اس پر سے اپنی روزی کھا سکتا ہے۔

(۹) لبساطِ زمین و لبسیط فلک۔ بر آراست از آدمی و ملک

زمین کے طول و ارض کو اور آسماں کی وسعتوں کو اس نے انسانوں اور جنات سے خلقت (اور آراستہ) کیا قران کریم کی رو سے جنات کا پیدا کیا جانا

خداوند کریم کی جانب سے ہے اور آیت کریمہ اس طرح پر ہے
"خالق جن و انس و ملائک" یعنی پیدا کرنے والا جنات، انسانوں
اور فرشتوں کا

(۷) دیوان امرناتھ کا ظفرنامہ رنجیت سنگھ بھی فارسی زبان میں ہے پروفیسر سیتارام کوہلی ایم۔اے نے اپنی تصنیف کردہ سوانح عمری "مہاراجہ رنجیت سنگھ" میں اس ظفرنامہ کا ذکر کیا ہے اس کی تاریخ تصنیف ۱۸۳۵ء ہے۔

(۸) گجرات کے مشہور پنجابی شاعر احمد یار نے فارسی زبان میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی تحریک پر ایک ظفرنامہ مہاراجہ رنجیت سنگھ لکھا تھا جسکو بعد وفات مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایسٹ انڈیا کمپنی کا ظفرنامہ بنا دیا گیا۔

ہم نے یہ دونوں ظفرنامے ۱۹۵۳ء میں دیکھے تھے۔ اور ان سے کچھ اشعار نوٹ بھی کئے تھے مگر وہ اشعار اب ہمارے پاس موجود نہیں ہیں۔ اور نہ ہی وہ کتابیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔

(۹) ۱۹۱۲ء میں لاہور سے ایک تاجر کتب سردار گوردیال سنگھ نے ظفرنامہ گورو گوبند سنگھ شائع کیا تھا۔ اس کے دیباچہ میں اس نے ظفرنامہ کو "وار جنگ" یا جنگنامہ نامزد کیا ہے۔ اور حقیقتاً ظفرنامہ کے مضمون کی مطابقت اکثر پنجابی زبان کی واروں سے ملتی جلتی ہے۔ دیگر پنجابی اور اردو میں بھی چند واریں اسی نوعیت کی ملتی ہیں۔ وار نجابت خاں سے تو اکثر لوگ آشنا ہیں مگر ایک "جنگ نامہ المعروف ظفرنامہ" عالم علی خاں جو کہ ایک شخص غضنفر حسین کا لکھا ہوا ہے قدیم اردو (دکنی زبان) میں ملتا ہے۔

(۱۰) یہ ظفرنامہ ہے جو کہ عالم علی خاں کے نظام الملک کے ساتھ جنگ کے بارے اور ۱۷۲۶ء میں لکھا گیا تھا۔ نمونہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں (مطبوعہ مثنوی کا شعر نمبر (۲۸۴)

(۱) چلانے لگے تیر پر تیر کوں۔ ہزار آفرین مرد کے دھیر کوں

عالم علی تیر پر تیر چلانے لگا ہزار آفرین ہے اس مرد کی دلاوری

(دھیرج یا اطمینان قلب) پر

(۲) گزر جائے بکتر و جلیتاں کو پھوڑ۔ زرہ کی کڑیاں ڈھال کے پھول توڑ

اس طرح سے ٹکا ٹکا کر تیر عالم علی نے مارے کہ وہ دشمنوں کے ذرہ بکتر سے بھی گزر جاتے اور اُن کی ڈھال کے پھول کاٹ کر ڈھال کے اندر پیوست ہو جاتے۔

نوٹ :- سید برادران حسین علی اور عبداللہ کو ہندوستان کی تاریخ میں بادشاہ گر کہا گیا ہے۔ انہوں نے ۱۷۱۳ء میں جہاندار شاہ کو جنگ میں شکست دیکر قتل کر کے اس کی جگہ فرخ سیر کو بادشاہ بنایا۔ ۱۷۱۹ء میں فرخ سیر کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ڈیڑھ سال میں دو مغل شاہزادوں رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ کو تخت نشین کیا۔ پھر ۱۷۱۹ء میں انہوں محمد شاہ رنگیلے کو دہلی کے تخت پر بٹھایا۔

عالم علی ان سید برادران کا حقیقی بھتیجا تھا جس نے ۶ شوال ۱۱۳۱ ہجری (۴ مئی ۱۷۲۰ء) کے دن میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت پائی۔

(۳) (۳۶۵) وہ اقبال ناصر کے گھر کا غلام۔ ہوا چور زخماں لہو کے تمام

(۴) (۳۶۷) تھی تاریخ چھٹی ماہ شوال کی۔ بڑی سخت تر تجسس جنجال کی
(۵) (۳۷۲) گیا جگ سنی وہ مبارک بدن۔ علی کے خزانے کا خاصہ رتن

اس کے بعد سید حسین علی خود بادشاہ محمد شاہ رنگیلے کو ساتھ لیکر اور شاہی فوج کی کمان سنبھال کر دکن کی جانب نظام الملک کی سرزنش کے لیے چل کھڑا ہوا۔ راستہ میں چار سازشی امرائے سید حسین علی کو قتل کر دیا اور نظام الملک کو دہلی بلاکر وزیر سلطنت بنا لیا۔ سید عبد اللہ نے بارا ضلع میرٹھ کے سادات کو اکٹھا کرکے شاہی فوج کے ساتھ جنگ لڑی۔ مگر یہ جنگ صرف ایک کربلا ثانی بن کر رہ گئی۔ سید برادران کے خلاف شاہی فوجوں کا جذبہ اس قدر بھڑکا ہوا تھا۔ کہ باوجود اس کے کہ بارا کے سادات بپھرے ہوئے شیروں کی طرح لڑے لیکن محمد شاہ رنگیلے کی فوج نے ان کو ہری گھاس کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔

(۱۱) شہنشاہ شاہجہاں (۱۶۲۷ء۔ ۱۶۵۸ء) کے بارہ دو کتابیں تحت عنوان ظفر نامہ کے اور ایک کتاب تحت عنوان شاہجہاں نامہ کے تحریر ہوئیں شاہجہاں نامہ ملا حسن "کلیم" کی تصنیف ہے۔ جو کہ فارسی زبان کے ۲۱۰۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ گیا شاہجہاں نامہ کہہ کر کلیم۔ کہ دل شاعروں کا ہے جس سے دو نیم"
میر تقی میر

ایک ظفر نامہ فارسی نثر میں لکھا گیا جس کا نام شاہجہاں کے ۱۶۵۸ء میں قید ہو جانے پر صرف شاہجہاں نامہ رکھ دیا گیا۔

۱۸۹۷ء میں بہادر شمس العلما مولوی ذکا اللہ دہلوی نے اردو نثر میں۔

"ظفرنامہ شاہجہانی" ترتیب دیا۔ ۱۹۱۷ء میں انسٹیٹیوٹ علیگڈھ سے یہ ظفرنامہ دوبارہ شائع ہوا۔ یہ ایک دلچسپ روزنامہ کی شکل میں ہے۔ ص ۱۴۶۔
۱۲ رجب ۱۰۴۲ہجری۔ شاہجہاں کا وزن شمسی (سونے کے ساتھ تولنا ہوا
شعبان میں سلطان پرویز کی لڑکی سے شاہزادہ دارا شکوہ کا نکاح ہوا اور بزم نشاط و چراغاں و آتش بازی نے آرائش پائی۔ اہل نغمہ رامشگروں کا جوش و خروش ہوا " قرار کردہ سعدین برج ہلال " تاریخ ہوئی۔ اس شادی میں ۳۲ لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔۰۰اور ۲۲ روز بعد شاہ شجاع کا عقد نکاح رستم مرزا صفوی کی بیٹی سے ہوا۔ چار لاکھ روپیہ کا مہر بندھا۔ "مہد بلقیس منزل جمشید آمد" تاریخ ہوئی۔ لاکھوں روپے ارباب طرب اور مستحقوں کو دیئے گئے اور روشنی اور تمام شہر کی آرائش بندی میں لاکھوں روپے صرف ہوئے ۷۶۰۰۰ بت خانے قصبہ بنارس میں خاک کے برابر کر دیئے گئے۔

لہذا یہ گیارہ ظفر نامے علاوہ گورو گوبند سنگھ جی کے ظفر نامہ کے کم و بیش عام طور پر دستیاب ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ ممکن ہیں اور بھی ہوں۔ دیگر جنگ نامے بالخصوص جنگ نامے نسبت شہدائے کربلا کے اور بھی زیادہ تعداد میں ملتے ہیں بلحاظ نوعیت اور صنف مضمون کے یہ جنگ نامے بھی ظفر ناموں کے ساتھ بہت حد تک مطابقت رکھتے ہیں۔ و نیز معراج نامے بھی ظفر نامجات سے بہت حد تک مشابہ ہیں۔ دیگر پنجابی زبان میں بھی حضرت محمد کی زندگی کے بارہ میں مولود نامے اور ان کے معراج کے بارہ میں معراج نامے اکثر مہیا ہوتے ہیں۔ پنجاب کے مشہور و معروف کوی قادریار

سیالکوٹی نے (جس کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس کی شاعری سے خوش ہو کر سات چاہاں کی اراضی معافی دی تھی) حضرت محمدؐ صاحب کے معراج کے بارہ میں ایک عربی کتاب "المعراج" کا پنجابی نظم میں نہایت خوبی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ پنجابی زبان کے مسلمان شعرا نے جو مثنویاں اس صنف میں لکھی ہیں۔ یا دیگر قصے افسانے بیانیہ شاعری کی صنف میں کہے ہیں۔ وہ عربی فارسی زبان کے عام مروجہ چار بحروں کی پابندی کی مطابقت کے ساتھ کہے ہیں۔ ہمارے پنجابی شعراؑ نے اکثر اوقات جو بحر اس غرض کے واسطے استعمال کیا ہے۔ وہ بحر "رجز مثمن مکسور" ہے۔ جس کے اراکین شعر ہیں۔

۔ فعلن

یا رب تیریاں صفتاں تائیں کوئی پہنچ نہ سکے
آدم جن جناور ہر شے کر کے صفتاں تھکے

صفت تیری جاں لگی ہوون با ہر حد شماروں
قلم وچاری ہمت ہاری پاٹ گئی وچکاروں

(شاہ بہرام امام بخش)

سبھیں پاسیں آن کھلوتے دشمن بنھ قطاراں
ٹوہاں کھلوتے کافر لیں گئے تلواراں

جتھوں نام محمد والا کافر میٹ دتا سی
اوتھے ہی قادر قدرت والے مڑ کے پھیر لکھا سی

(جنگ نامہ حامد علی)

ظفر نامہ اصل فارسی معہ اردو ترجمہ (۱۴۲ - اشعار)

ظفر نامہ پر تحقیق کرنے والوں میں سے جو لوگ کچھ علمی دسترس رکھنے والے ہیں ان سب کی متفقہ رائے یہی ہے کہ ظفر نامہ اصل میں صرف ۱۱۱ - اشعار پر مشتمل ہے اور کہ اُن گیارہ فارسی حکایات کا جو کہ اُس کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں ظفر نامہ کے اس خالص مضمون کے ساتھ کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے ۔ ان حکایات میں اکثر جنسی اور عریاں قسم کی ہیں پس یہ قیاس کرنا دشوار امر ہے کہ گورو گوبند سنگھ جی کی قابلیت کے ایک مدبر جرنیل اور بے مثل ادیب نے ایک خط کے مضمون کے ساتھ ایسی حکایات کو خواہ مخواہ شامل کر دیا ہوگا ۔ ان گیارہ حکایتوں کا جو کہ ظفر نامہ کے ساتھ شامل کی گئی ہیں باہمی تسلسل اور تعلق ہے کیونکہ ہر ایک حکایت کے اختتام پر دو شعر ساقی نامہ کے تحریر ملتے ہیں داستان اول یعنی اصل ظفر نامہ کے آخر پر کوئی ساقی نامہ کے شعر درج نہیں ہیں لہٰذا اس داستان اول کو الگ سمجھنا چاہیے ۱۹۴۲ء میں راقم الحروف کی گفتگو ظفر نامہ کے موضوع پر پروفیسر تیجا سنگھ مرحوم (خالصہ کالج امرتسر والے) کے ساتھ ہوئی تھی اور پروفیسر صاحب بھی ہمارے ساتھ متفق الرائے تھے ۔

لہٰذا ہم نے ان ۱۱۱ - اشعار کو معہ اضافہ ہندی بند اور فتح نامہ کے ۲۷ - اشعار کے دیگر ۴ - اشعار کے اصل ظفر نامہ کی بحر میں ترجمہ کر کے یہاں پیش کیا ہے جہاں کہیں ہجّے یا املا کی تصحیح بغرض توضیح معانی کے یا درستی قافیہ کے ضروری تھی وہ کر دی گئی ہے ۔

بقایا حکایات کا ہم نے نثر میں بالاختصار شامل کر دیا ہے تاکہ پڑھنے والے ان حکایات سے بھی لطف اندوز ہو سکیں ۔

ایک اونکار واہگورو جی کی فتح

حکم ست ظفر نامہ۔ سری مکھ واک۔ پاتشاہی دس
منجانب سری قلغی دھر گورو گوبند سنگھ صاحب طرف اورنگ زیب عالمگیر

حکایت اول اشعار ۔ ۱۱۱

کمال کرامات قائم کریم
رضا بخش رازق رزاق رحیم

امان بخش بخشندہ دستگیر
خطا بخش روزی دہ دل پذیر

شہنشاہ خوبی دہ راہنموں
کہ بے گون و بے چون و چوں بے نموں

نہ ساز و نہ باج و نہ فوج و نہ فرش
خداوند بخشندہ عیش عرش

جہاں پاک جبار ظاہر ظہور
عطا میکند ہمچو حاضر حضور

عطا و کرم پاک پروردگار
رحیم است روزی دہد ہر دیار

کہ صاحب دیار است اعظم عظیم
کہ حسن الجمال است رازق رحیم

کہ صاحب شعور است عاجز نواز
غریب پرست و غنیم الگداز

شریعت پرست و فضیلت مآب
حقیقت شناس و نبی الکتاب

کہ دانش پژوہ است صاحب شعور
حقیقت شناس است ظاہر ظہور

شناسندہ علم عالم خدائے
کشائندہ کار عالم کشائے

گزارندہ کار عالم امیر
شناسندہ علم عالم امیر

ایک اونکار واہگورو جی کی فتح

حکم ست ظفر نامہ سری مکھ واک پاتشاہی دس

محفوظ متیجا نب سری کلغی دھر گورو گوبند سنگھ جی مہاراج طرف شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر

حکایت اول - ۱۱۱ اشعار

دائم مبجزہ ہے وہ ذات خدا — جو کرتا ہے بندوں کو روزی عطا

ٹمی قطع نے والی ہے وہ دستگیر — بخش دے خطا وسی دے دلپذیر

شہنشاہ خوبی ہے وہ راہبر — نہیں اس کے مانند کوئی دِگر

نہیں رکھتا خود اسلحہ خیمہ یا فوج — بخشدے چاہے جسکو دنیا میں اوج

آزاد از وجود او ظاہر ظہور — کرم فرمائی میں ہے حاضر حضور

ہے چشم عطا پاک پروردگار — رحیم ایسا کہ روزی دے ہر دیار

وہ اعظم ترین مالک دو جہاں — ہر جلوؤں میں رازق کا ثانی کہاں

شعور عقل کل ہے عاجز نواز — پرستار غریباں غنیم الگداز

شریعت کا شیدا فضیلت مآب — حقیقت کا واقف نبی الکتاب

ہر دانش کا منبع وہ صاحب شعور — ہر اک راز جانے ہے ظاہر ظہور

ہر اک علم سے با خبر ہے خدا — مہمات عالم کا عقدہ کشا

چلاتا ہے دنیا کا کار کبیر — رب العالمین کاروان کا امیر

داستاں

مرا اعتبارے بریں قسم نیست | که ایزد گواه است هندوان یکبست
نه قطره مرا اعتبارے براوست | که بخشی و دیوان همه کذب گواست
کسے قولِ قراں کند اعتبار | همان روز آخر شود مرد خوار
همارا کسے سایه آید بزیر | براو دست دارد نه زاغ دلیر
کسے پشت افتد پس شیر نر | نگیرد نبرد میش نه آهو اگذر
قسم مصحف خفیه گر چوں خورم | نه فوجِ عزیزم را ستم افگنم
که پیماں شکستن بید رنگ آلدم | به تدبیرِ تیر و کمال آمدم
به لاچارگی درمیاں آمدم | به تدبیر تیر و کمال آمدم
چو کار از همه حیلے در گذشت | حلال است بردن با شمشیر دست
چه قسم قرآں من کنم | وگرنه تو دانی من ایں راه چه کار
ندانم که ایں مرد رو باه پیچ | مگر هرگز بر راه ناید بہ هیچ
هر آنکس که قولِ قراں آیدش | از و کشتن و بستن نه بایدش
برنگِ مگس سیاه پوش آمدند | به یکبارگی در خروش آمدند
هر آنکس ز دیوار آمد بردں | به خوردن یکے تیر شد غرق خوں
گرسنه چه کار سے کند جهل بز | که ده لک بر آمد بر او بیخبر

داستاں

مجھے اعتبار اس قسم پر نہیں
"وہ واحد خدا ہے گواہ بالیقین"

قسم کا تمہاری یقین کیسے ہو
تیرے بخشی و دیواں سب کذب گو

جو قسم قرآں پر کرے اعتبار
وہ آخر کو ہوگا ذلیل اور خوار

ہُما نے ہو جس سر پہ سایہ رکھا
اسے زاغ منحوس کا خوف کیا

میسر ہو جس کو اعانتِ شبیر
اسے غرض کیا ہرن بکری ہو بھیڑ

جو مخفی بھی کھاتا ہیں قسم قرآں
بڑھاتا نہ یوں فوج کو بیگماں

کیا ممکن تھی چالیس بھوکوں سے کار
جو یورش لائے انپہ وہ صد ہزار

کہ پیماں شکن بید رنگ آ گئے
بکف تیغ و تیر و تفنگ آ گئے

بہ لاچارگی درمیاں آئے ہم
مقابل پہ تیر و کماں آئے ہم

نہ ہو امن کی کارگر کوئی چال
تو ہے ہاتھ میں سیف اٹھانا ہلال

یہ قسم قرآں سے بکھیڑا اٹھا
وگرنہ مجھے جنگ سے غرض کیا

نہ جانا کہ یہہ مرد روباہ صفت
نہیں مانے گا امن و صلح کی بات

کسی سے جو ہارا ہو قولِ قرآں
نہیں قتل اور قید واجب وہاں

برنگ مگس نیلی پوش آ گئے
بیکبار با صد فروش آ گئے

جو دیوارِ خندق سے آیا بروں
وہ اک تیر کھا کر ہوا غرق خوں

چو دیدم کہ ناہر بیامد بجنگ
چشیدن یکے تیر تن بید رنگ

ہم آخر گریزند بجائے مصاف
بسے خاک خوردند بیروں گذاف

کہ افغان دیگر بیامد بجنگ
چو سیل رواں ہمچو تیر و تفنگ

بسے حملہ کردند بہ مردانگی
ہم از ہوشنگی ہم ز دیوانگی

بسے حملہ کردہ بسے زخم خورد
دو کس را بجاں کشت ہم جاں سپرد

کہ آں خواجہ مردود ز سایہ دیوار
بمیداں نیامد مردانہ وار +

دریغا اگر روئے او دیدمے
بیک تیر ناچار بخشیدمے

ہم آخر بسے زخم تیر و تفنگ
دو سوئے بسے کشتہ شد بید رنگ

بسے بان بارید تیر و تفنگ
زمین گشت ہمچو گل لالہ رنگ

سر و پائے انبوہ چنداں شدہ
کہ میداں پر از گوئے چوگاں شدہ

ترنگار تیر و ترنگ کماں
برآمد یکے ھاوھو از جہاں

دگر شورش کیبر کینہ کوش
ز مرداں میداں بروں رفت ہوش

ہم آخر چہ مردی کند کارزار
کہ بر چہل تن آیدش بے شمار

چراغ جہاں گشت چوں برقع پوش
شاہ شب برآمد بعد جلوہ جوش

ہر آنکس کہ قول قراں آیدش
کہ یزداں بر او رہنما آیدش

نہ پیچید موئے نہ رنجید تن
کہ بیروں خود آوردہ دشمن شکن

ندانم کہ ایں مرد پیماں شکن
ہے دولت پرست اور ایماں شکن

نہ ایماں پرستی نہ اوضاع دین
نہ صاحب شناسی نہ احمد یقین

ناہر خاں کو دیکھا جو آمادہ جنگ ‏ پلایا اسے تیر اک بید رنگ

بالآخر وہ میداں سے واپس پھرے ‏ وہ سب خان گییں جو تھے ہانکتے

آئے دیگر افغاناں بہمہ ستیز ‏ مثل گولی بندوق سیلاب تیز

ہوئے حملہ آور وہ مردانہ وار ‏ کوئی بے محابا کبھی ہوشیار

دلیری سر لشکر افغاں نے کی ‏ ہمارے دو مارے و خود جاں دی

رہا خواجہ مردود پشت دیوار ‏ نہ آیا وہ میداں میں مردانہ وار +

جو آتا مرے روبرو وہ شریر ‏ لگاتا میں بس اسکے سینہ میں تیر

کئی لوگ تیروں سے زخمی ہوئے ‏ دو طرفہ بہت لوگ جاں سے گئے

ہوئی اسقدر باراں تیر و تفنگ ‏ زمیں خوں سے کشتوں کے تھی لالہ رنگ

سروں اور پاؤں کا انبار تھا ‏ وہ عرصہ تھا میدانِ چوگاں بنا

تڑ لگا رہے تیر اور نشتر اک کماں ‏ اٹھا نالۂ ہو دھا از جہاں

فضا گرمی تیروں سے تھی گرم جوش ‏ کئی مرد میداں کھو بیٹھے ہوش

دکھاتے وہ کیا مردمی کارزار ‏ کہ چالیس پہ چڑھ آئے تھے بیشمار

چراغ جہاں نے جو اوڑھا نقاب ‏ فلک پر چڑھا ماہ بصد آب و تاب

جو قول قرانی پہ قائم رہا ‏ خدا کرتا ہے رہنمائی سدا

ہمارے نہ تن کا ہوا بانکا بال ‏ عدو پر ہمارے بس آیا زوال

پسنہ کیا تھا بہ عہد و پیماں شکن ‏ ہے یہ دولت پرست اور ایماں شکن

هر آنکس که ایمان پرستی کند
نه پیمان خودش پیشدستی کند

نه این مرد را ذرہ اعتبار است
چه قسم قران است و یزدان یکیست

چه قسم قران صد کند اختیار
مرا قطرہ ناید بر او اعتبار

اگرچه ترا اعتبار آمدے
کمر بستہ پیشوا آمدے

که فرض است بر سر ترا این سخن
که قول خدا ایست قسم است من

اگر حضرت خود ستادہ شود
بجان و دل کار را ضبح شود

شمارا چه فرض است کالے کنی
بموجب نوشته شمارے کنی

نوشته رسید و بگفته زبان
بیاید که کار این براحت رسان

ہموں مرد باید شود سخن در
نه تحکم دگر در دہانِ دگر

که قاضی مرا گفت بیرون نیم
اگر راستی خود بیاری قدم

ترا اگر بیاید بقولِ قران
به نزد شمار ار رسانم ہمان

که تشریف در قصبه کانگر کنند
وزاں پس ملاقات باہم شود

نه ذرہ دریں راہ خطرہ تراست
ہمه قوم بیرار حکم مراست

بیا تا بہم خود زبانی کنیم
بروے شما مہربانی کنیم

یکے اسپ شائستہ یک ہزار
بیا تا بگیری زمن این دیار +

شہنشاہ را بندہ چاکریم
اگر حکم آید بجان حاضریم

ہر ایک شخص ہے جو کہ ایماں پرست — ہے وعدہ نبھانے میں چالاک و چست

مگر زرہ اس کا نہیں اعتبار — قسم کھائے اللہ کی جو بار بار

کھائے قسم قراں اگر لاکھ بار — ہمیں ذرہ بھر نہ آئے اعتبار

اگر رکھتے تم قسم پر اعتبار — تو خود پیشوائی کو ہوتے تیار

نبھانا سخن فرض تھا آپ پر — کہ قسم خدا فرض ہے آپ پر

جو ہوتے کہیں آپ موجود یاں — تو حضرت یہ سب بات ہوتی عیاں

حسب وعدہ تھا فرض سب کاروبار — بموجب نوشتہ مطابق قرار

زبانی تحریری جو طے تھا عمل — مناسب نہ تھا اس میں لانا خلل

نہیں ہوتا یہ قول مرداں کا طور — کہ دل میں ہو کچھ اور زباں پر کچھ اور

کہا تھا یہ قاضی نے تیار رہوں — حقیقت میں دشمن نہیں یار ہوں

صحیح مانتے ہو جو قسم قراں — تو رکھتا ہوں قراں کو میں درمیاں

جو کانگڑا میں تشریف لاویں کبھی — ملاقات سے بات طے ہو سبھی

نہیں راستہ میں ہمیں خطرہ و غم — ہے برار قوم اپنے تابع حکم

آؤ تا حقیقت ہو جائے عیاں — باہم گفتگو سے میرے مہرباں

نذر ایک گھوڑا ہزاروں میں بیش — کریں گے بوقت ملاقات پیش

شہنشاہ کے بندہ چاکر ہیں ہم — جو ہو حکم تو جاں سے حاضر ہیں ہم

اگر چہ بپائند بہ فرمان من / حضورت بپائم ہمہ جان و تن

اگر تو بہ یزداں پرستی کنی / بکار مرا ایں نہ سستی کنی

تو باید کہ یزداں شناسی کنی / بگفتہ کساں کس خراشی کنی

تو مسندنشیں سرور کائنات / کہ عجب است انصاف ایں ہم صفات

چہ عجب است انصاف و دیں پروری / کہ حیف است صد حیف ایں سروری

عجب است فتوہ شاہ شاہاں / بہ ناراستی سخن گفتن زباں

مزن تیغ بر خون کس بیدریغ / ترا نیز خوں است با چرخ تیغ

تو غافل مشو مرد یزداں شناس / کہ او بے نیاز است و او بے سپاس

کہ او بے محابست شاہان شاہ / زمین و زماں را سچا پادشاہ

خداوند ایزد زمین و زماں / کنند است ہر کس مکین و مکاں

ہم از پیر مور و ہم از پیلتن / کہ عاجز نواز است و غافل شکن

کہ او را چو اسم است عاجز نواز / کہ او بے سپاس است و او بے نیاز

کہ او بے نگوں است و او بے چگوں / کہ او راہ نما است و خود رہموں

کہ بر سر ترا فرض قسم قراں / بگفتہ خود کار رنجوبی رساں

بباید تو دانش پرستی کنی / بکار شما چیرہ دستی کنی

چہا شد کہ چوں بچگاں کشتہ چار / کہ باقی بماند است پیچیدہ مار

چہ مردی کہ اخگر خموشاں کنی / کہ آتش دماں را بدوشاں کنی

جو آپ آجائیں مان کر میری بات	تو حاضر ہوں میں جان اور تن کیساتھ
حقیقت میں ہوتے جو یزداں پرست	تو کیوں میرے بارہ پڑے رہتے سست
ہے لازم کہ یزداں شناسی کریں	نہ غیبت کے باعث خراشی کریں
اے مسند نشین سرور کائنات	عدل گرتی میں یہ ناقص صفات!
عجب ہے یہ انصاف و دیں پروری	ہے بالِ صد حیف یہ افسری
ہیں حیران کن تیرے فتوے دین	ہیں باطل سراسر ناقابل یقین
نہ خوں پر کسی کے ناحق تیغ اٹھا	فلک دیگا آخر تیرا سر اڑا
نہ غافل رہ اے مرد یزداں شناس	کہ ہے بے نیاز اللہ اور بے سپاس
کہ بیشک وہ مالک ہے شاہوں کا شاہ	زمین و فلک کا سچا پاتشاہ
خداوند مالک زمین و زمان	وہ والی و خالق کون و مکاں
ہیں مخلوق اسی کی یہ چیونٹی و فیل	ہے عاجز نواز اور منصف دلیل
کہ کہتے اسی کو ہیں عاجز نواز	خوشامد و رشوت سے ہے بے نیاز
وہ بے رنگ و بے روپ ذات خدا	نہیں ثانی راہبر کا پیدا ہوا
ہے قسم قراں آپ کے سر پہ فرض	ایفا دعدہ سے آپ اتاریں یہ قرض
ہے لازم کہ دانش سے تم کام لو	اور اس کام میں پیش دستی کرو
بڑی بات کی نیچے مارے ہیں چار	مگر لاکھوں زندہ ہیں پیچیدہ مار
کیا مردی شرارے بجھائے جو چند	کہ جنگل میں پھیلی ہے آتش وہ چند

چہ خوش گفت فردوسی خوش زباں
شتابی بود کار آہرمناں

یکے سیرت نیک مرداں شنو
اگر نیک مردی و پاکیزہ او

چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد
کہ رحمت بر آں تربت پاک باد

میازار مورے کہ دانہ کش است
کہ جاں دارد و جاں شیریں خوش است

سیاہ اندروں باشد و سنگدل
کہ خواہد کہ مورے شود تنگدل

مزن بر سر ناتواں دست زور
کہ روزے ز پایش درافتی چو مور

کہ بارگاہ حضرت آئم ترا
ازاں روز باشم شاہد بر شما

دگر نہ تو ایں ہم فرامش کند
ترا ہم فراموش یزداں کند

اگر کار ایں بر تو بستی کمر
خداوند باشد ترا راہبر

کہ ایں کار نیک است دیں پرورا
چو یزداں شناسی بجاں برتری

ترا من ندانم کہ یزداں شناس
بر آمد ز تو کار ہا بے ہراس

شناسد ہمیں تو بہ یزداں کریم
نخواہد ہمیں با تو دولت عظیم

اگر صد قراں رانجوردی قسم
مرا اعتباری نہ ایں ذرہ ہم

حضوری نیائم نہ ایں راہ شوم
اگر شاہ بخواہد من آنجا روم

خوشا شاہ شاہان اورنگ زیب
چہ چالاک دست است و چابک رکیب

چہ حسن الجمال است روشن ضمیر
خداوند ملک است صاحب امیر

بہ ترتیب دانش و تدبیر تیغ
خداوند دیغ و خداوند تیغ

سنے یہ قولِ فردوسی خوش زباں ‏ شتابی ہے کارِ شیطاں زادگان

بتاتا ہوں ایک خصلت نیک مرد ‏ حقیقت میں ہے گروہ پاکیزہ مرد

یہ ہے قول فردوسی پاک زاد ‏ کہ رحمت دائم بر قبر پاک باد

ستانہ تو چیونٹی کو ہے دانہ کش ‏ کہ رکھتی ہے جان اور جان سے ہے خوشی

سیاہ باطن ہوتا ہے اور سنگدل ‏ جو چاہتا ہے کہ چیونٹی ہو تنگدل

نہ کمزور کے سر پہ تو مکے مار ‏ مبادا مثل چیونٹی کے ہووے خوار

بدنگاہِ عالی بروز جزا ‏ تمہارے خلاف ہوں گے ہم دادخواہ

بھلانے میں بندوں کے حق ہو بیباک ‏ تمہیں بھی بھلا دیں گے یزداں پاک

اگر کام میں میرے باندھو کمر ‏ خدا آپکا ہوگا خود راہبر

یہ ہے کار نیکی ددیں پروری ‏ ہے یزداں شناسی میں ہی برتری

نہیں مانتا تم کو یزداں شناس ‏ کر تم نے کئے کام ہیں پر ہراس

نوازے ہے توبہ کو یزداں کریم ‏ نہیں چاہے گا تیری دولت عظیم

قراں پر جو کھائے تو قسمیں ہزار ‏ نہ ہوگا ہمیں ذرہ بھر اعتبار

حضوری میں تیری نہ آئینگے ہم ‏ جدھر اللہ بھیجیگا جائینگے ہم

ظاہر خوب شہنشاہ اورنگ زیب ‏ کہ ہے شہسواری میں چابک رکیب

ہے روشن ضمیر اور صاحب جمال ‏ ہے مالک و بخشندہ ملک و مال

وہ حاتم لڑائی میں دیو اور کوہ ‏ فرشتہ صفات اور ثریا شکوہ

که روشن ضمیر است حسن الجمال — خداوندہ بخشندہ ملک و مال

که بخشش کبیر است در جنگ کوه — ملائک صفت چو ثریا شکوه

شہنشاه اورنگ زیب عالمیں — که دارائے ملک است و دوراست دیں +(۱)

ہنم کشته ام کو یہاں بت پرست — که او بت پرست اندومن بت شکست

ببیں گردش بے وفائی زماں — پس پشت افتد رساند زیاں

ببیں قدرت نیک یزدانِ پاک — که از یک باده لک اساند ہلاک

چه دشمن کند مہرباں ست دوست — که بخشندگی کار بخشنده ہست

رہائی ابده اور ہائی دہد — زبانرا با صفت آشنائی دہد

عدو را چو کور او کند وقت کاه — یتیماں را بیروں برد بے آزاله

ہر آنکس کز و راستبازی کند — رحیمی بر آں رحم سازی کند

کسے خدمت آرد بسے دل و جاں — خداوند بخشید بر وے اماں

چه دشمن کزاں حیله سازی کند — اگر بر ہما بروئے راضی شود

اگر بر یک آمده ده ہزار — نگہباں او را شود کردگار

ترا گر نظما مست لشکر و زر — که ما را نگه است یزداں شکر

که او را غرور است بر ملک و مال — که ما را پناه است یزداں اکال

تو غافل مشو زیں سپنجی سرائے — که عالم بگذرد سر جا بجائے

ببیں گردش بیوفائی زماں — که بگذشت بر ہر مکین و مکاں

تو با جید عاجز خراشی مکن — قسم را به تیشه تراشی مکن

چو حق یار باشد چه دشمنی کند — اگر دشمنی را بعد تن کند

خصم دشمنی گر ہزار آورد — نه یک موئے او را آزار آورد

شاہ اورنگ زیب ہر دو عالم مشہور
ہے دارائے دوراں مگر دیں سے دور

کیا ختم کو ہیاں کو با جان و تن
پرستار بت تھے وہ ہم بت شکن

عجب گردش بے وفا آسمان
کر بت شکن سے ہمکو پہنچا زیاں

گر قدرت نیک یزداں پاک
کہ ہوں ایک کے ہاتھ سے لاکھ ہلاک

خدا دوست کا بدخواہ کریگا کیا
ہے بخشش دائم کام بخشندہ کا

وہ راہبر کہ آخر کو بخشے نجات
ہے لازم زباں پر ہوں اسکی صفات

عدو کو کرے اندھا وقت دغا
یتیماں ہوں چنگل سے اسکے رہا

راہ اللہ میں راستبازی کرے
پاک بندہ نوازی کرے

جو خدمت میں اسکی ہو با دل و جاں
خداوند بخشے ہے اسکو اماں

جائے حیلہ سازی نہ دشمن کی پیش
اگر رہا اس سے راضی ہو بیش

اگر چڑھ آئیں ایک پر صد ہزار
نگہباں خود اس کا ہو کردگار

نہیں چھیر ہے لشکر اور زر اور پر
ہمیں تکیہ ہے اللہ پر اور بہتر

ہوا ہے وہ مغرور بر ملک و مال
ہماری پناہ ہے وہ یزداں اکال

نہ غافل ہو اس سے ہے دنیا سرا
یہ عالم ہے آخر کو اک گذرگاہ

ہے گردش زمانہ سے کس کو اماں
مٹے اسکے ہاتھوں مکین و مکاں

اسے جا یہ نہ عاجز کو ہرگز ستانا
نہ اپنی قسم پر تو تیشہ چلا

ہے حق یار جسکا ہو کیوں فکرمند
اسے دشمنوں سے نہ پہنچے گزند

عدو اس پہ گرچہ کرے لاکھ وار
نہ اک بال بھر اسکو پہنچے آزار

حمد در زبان ہفت مصرعہ ہندی و یک مصرعہ فارسی

اگنجو - ابھنجو - اروپو - اریکھ
اگادہو - اپادہو - ابھرموں - الیکھ

اراگر - اروپو - اریکھو - ارنگ
اجنموں - ابرنوں - ابھوتو - ابھنگ

اچھیدو - ابھیدو - اکرموں - اکام
اکھیدو - ابھیدو - ابھرموں - ایام

اریکھ - ابیکھو - الیکھو - ابھنگ
خداوند بخشندہ رنگ رنگ

نوٹ: سات مصرعے جو اوپر لکھے گئے ہیں ان میں اکثر الفاظ سنسکرت کے استعمال ہوئے ہیں۔ یہ سب الفاظ نفی کے ہیں۔ آسے مراد سنسکرت میں "بغیر" سے ہے جیسے یونانی میں بھی بھار = وزن - ابھار - بغیر وزن کے ان سب الفاظ کے علحدہ علحدہ معنی نیچے دیئے گئے ہیں:-

اگنجو = ان گنت بے شمار

ابھنجو = نہ لوٹنے والا

اروپو = بغیر شکل کے

اریکھ = بغیر نشان کے یعنی جس پر کوئی نشان نہو

اگادہو = بغیر آخرت یا انجام کے

اپادہو = دام - جالی یعنی جنجال کے بغیر

ابھرموں = نہ گھومنے والا دائمی قائم

الیکھ = تحریر میں نہ آنے والا

اراگو = بے تعلق غیر وابستہ

ارنگ = بغیر کسی رنگ کے۔

اجنموں = جو پیدا نہ ہوا ہو لم یولد

ابرنوں = جس کا کوئی وزن نہ ہو جو برہمن کشتری ویش یا شودر نہ ہو۔ ہندو وشنو جی کو کشتری دان مانتے ہیں

ابھوتو = جو گزر نہیں گیا

ابھنگ = نہ ٹوٹنے والا

اچھیدو = جو کٹ نہیں سکتا

ابھیدو = جو قابو نہیں آسکتا

اکرموں = جو کرم سے رہتا ہے

اکام = جسکو جلنی خواہش نہیں ستاتی"

اکھیدو = اچھید یوگی ایک شکل ہے۔

ایام = بغیر استری کے ہندوؤں کے سب دیوتا شادی شدہ نہیں بلکہ کئی دیوتا از اندواز ایک بیوی رکھتے ہیں

قطعہ تاریخ ہائے ولادت و شہادت گورو گوبند سنگھ جی گفتہ مصنف

سخنور چوں فردوسی رنگیں نگار — دلاور مانند علی نامدار ۱۲۱۳ھ

تواریخ حضرت باایں مصرعہ جو — شہنشاہ گوبند سنگھ دلدل سوار

تاریخ ولادت بداں نکتہ سنج — نفی کن ازیں یکصد سی و پنج

تاریخ شہادت را یابی اے یار — نفی کن فقط عدد نو دو چار (۹۴)

ز خنجر جمشید چوں دادہ جاں — سن عیسے الف ہفتصد ہشت خواں

ازیں نام اختر شدست لازوال — قطعہ تاریخ آورد ست بے مثال

حمد بزبان سات مصرعہ ہندی اور ایک مصرعہ فارسی

ازل سے ابد تک بے شکل و نشاں — بے حسرت و بیرون دام جہاں

نہیں اسکو الفت کسی سے نہ بیر — بنا جنم و جسم اور فنا کے بغیر

ہر ایک سے علحدہ نہ تابع اعمال — نہیں رکھتا وہ زن نہ خوف اور وبال

ہے آزادہ از قید خشت اور سنگ — خداوند بخشندہ انواع رنگ

علاوہ ظفر نامہ کے ۲۴ فتح نامہ اشعار جو کسی دیگر منظوم خط کا حصہ معلوم ہوتے ہیں دستیاب ہو چکے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس عنوان فتح نامہ کے تحت بھی ۲۵۶۔ اشعار تھے اور کہ بقایا اشعار سب ضائع ہو چکے ہیں۔ ظفر نامہ کے ساتھ جو دیگر گیارہ منظوم حکایات بزبان فارسی

شامل ہیں اور جنکو اکثر مورخین ظفر نامہ کا حصہ خیال کرتے ہیں کے مضمون کا خلاصہ ہم فتح نامہ کے اشعار درج کر دینے کے بعد دیں گے۔ کیونکہ جناب نانک چند ناز مرحوم اور شری بی۔ پی۔ ایل بیدی صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ اے اوکسن نے بھی ان ۴۲ اشعار کو ظفر نامہ کی داستان اول کے ۱۱۱۔ اشعار کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی ترتیب مضمون میں ان کی پیروی کی ہے۔

بنام خداوند تیغ و تبر
خداوند تیر و سناں و سپر

خداوند مردان جنگ آزما
خداوند اسپانِ پا در ہوا

ہماں کو ترا پادشاہی بلاد
بماد دولت دیں پناہی بداد

ترا ترکتازی بہ مکر و ریا
مرا چارہ سازی بہ صدق و صفا

نہ زیبہ ترا نام اورنگ زیب
نہ اورنگ زیباں نیاید فریب

ترا تسبیح سبحہ و رشتہ بیش
کز آں دانہ سازی و زیں دام خویش

بنام خداوند تیغ و تبر
خداوند نیزہ و تیر و سپر

خداوند مرداں جنگ آزما
خداوند توسن ہائے باد پا

وہی جس نے بخشی ہے تم کو شاہی
ہمیں دین پناہی کی توفیق دی

تمہیں فتحیابی بہ مکر و ریا
مجھے چارہ سازی بہ صدق و صفا

نہیں تم کو زیبا نام اورنگ زیب
نہیں کرتے اورنگ زیباں فریب

تیری تسبیح کے دانے دھاگے تمام
ہے دانہ بکھرا ہوا زیر بام

بہا خون برادر با مکر و ریا
تو خاک پدر اسمیں گوندھا کیا

بنا خاک خوں سے محل دلفریب
در دولت شاہ اورنگ زیب

میں لاؤں گا جلدی بہ فضل اکال
تفنگ اور تیروں سے وہ برشگال

بنی ہے جو منحوس دیواریاں
نہ چھوڑوں گا دھرتی پہ اسکا نشاں

پھرا کوہستاں دکن سے تشنہ کام
پھرا نیز میواڑ سے تلخ جام

نگاہ آپ کی ہے اینجانب لگی
کہ مٹ جائے ور تلخ و تشنگی

دھروں زیر پا الہی آتش شتاب
نہ پنجاب سے پاسکو جرعہ آب

کیا غم ہے جو گیدڑ نے فن مکر سے
دو بچے قتل شیر کے کردیئے

جو زندہ رہا پیچھے شیر ژیاں
تو بدلہ قتل لے گا وہ بے گماں

نہ کھاؤں گا قسم قراں کا فریب
کہ واقف ہوں خدائے اورنگ زیب

گیا اٹھ تیری قسم کا اعتبار
بجز تیغ اپنا نہیں کوئی یار

ہے تو گرگ باراں دیدہ اگر
ہوں بیشہ آزادی کا میں شیر نر

اگر باہمی بات جاری رہی
دکھا دوں گا تم کو راہ راستی

مقابل ہوں ذو لشکراں صف آرا
ذرا دوری سے پڑ رہے ہوں نگاہ

دو فرسنگ کا ہو درمیاں فاصلہ
یوں آراستہ کی جائے رزمگاہ

تو خاک پدر را بہ کردار زشت — بخونِ برادر بداری سرشت

وز آں خانۂ خام کردی بنا — برائے زر دولت خویش را

من اکنوں بہ افضال پرش اکال — کنم ز آب آہن چناں برشگال

کہ ہرگز از آں چار دیوار شوم — نشانے نہ ماند بر ایں پاک بوم

ز کوہِ دکن تشنہ کام آمدی — ز میواڑ ہم تلخ جام آمدی

بہ ایں سمت اکنوں نگاہت شود — کہ آں تلخی و تشنگیت رود

ہیجاں آتشے زیر نعلت کنم — ز پنجاب آبش نخوردن دہم

چہ شد گر شغالِ بہ مکر و ریا — ہمیں کشت دو بچۂ شیر را

چو شیر ژیاں زندہ ماند ہمے — ز تو انتقامے ستاند ہمے

نہ دمگیر گرائم بہ نام خدات — کہ دیدم خدا و کلام خدات

بہ سوگند تو اعتبارے نہ ماند — مرا جز بہ شمشیر کارے نہ ماند

توئی گرگ باراں کشیدہ اگر — منم نیز شیرے ز دامے بدر

اگر باز گفت و شنیدت بہ ماست — نمائم ترا جادۂ پاک و راست

بمیداں دو لشکر صف آرا شوند — ز دوری باہم آشکارا شوند

میاں ہر دو ماند دو فرسنگ راہ — چوں آراستہ گردد ایں رزم گاہ

از آں پس در آں عرصہ کارزار — من آئم بنزد تو با دو سوار

تو از ناز دولت ثمر خوردۂ — ز جنگی جواناں نہ بر خوردۂ

بمیداں بیا خود بہ تیغ و تبر — مکن خلق خلاق زیر و زبر

میاں میں تھے انکے دو فرسنگ راہ
جب آراستہ ہووے یہ رزمگاہ

بڑھوں آگے میں دو سواروں کے ساتھ
کہ دیکھوں ترے ساتھ خود دو دو ہاتھ

کھانے تونے ہیں ناز و نعمت کے پھل
نہیں چکھا تیغ دلیراں کا پھل

مقابل ہوں ہم خود بہ تیغ و سناں
نہ خلق خدا کو پہنچائیں زیاں

کئی مورخین نے آٹھویں حکائت سے حسب ذیل ۵۰ - اشعار
بھی اسی جگہ یعنی فتح نامہ کے آخر میں شامل کر دئے ہیں -

کہاں کمرامات قب لم کریم
رضا بخش رازق رباکن رحیم

عجب معجزہ ہے وہ ازلی خدا
رزاق و رضا بخش یوم جزا

○ ملک یوم الدین = سورۃ فاتحہ مکیہ قران

اللہ یوم جزا کا مالک ہے یعنی حشر کے دن گنہگاروں کو بخش
دینے کا اختیار رکھتا ہے

کجا شاہ کیخسرو اور جام جم
کجا شاہ عادل سپرو عدم

کہاں شاہ کیخسرو اور جام جم
ہوئے شاہ عادل بھی راہی عدم

فریدوں کجا بہمن اسفند یار
نہ انقلاب دارا در آمد شمار

فریدوں کہاں بہمن اسفندیار
رہا حشم دارا بھی ناپائیدار

کجا شاہ اسکندر و شیر شاہ
کہ ہم یک نماند است زندہ بہ جاہ

کجا شاہ تیمور و بابر کجاست
ہمایوں کجا شاہ اکبر کجاست

شاہ تیمور و بابر کہاں اُٹھ گئے ہمایوں و اکبر کدھر چل دئے

ان اشعار میں دنیا کی بڑی بڑی ہستیوں کے نام لئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ وہ بمقابلہ ذات الٰہی کے جو کہ دائمی ہے سب ہی ناپائیدار تھے اور باوجود طاقت دولت جاہ وحشم کے آخرکار سب اپنی اپنی باری اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔

کیخسرو قدیم ایران کا بادشاہ تھا۔ یہ کیانی خاندان سے تھا۔ یہ بادشاہ ایک چھوٹی سی چوکی پر بیٹھ کر چار بڑے طاقت ور بازوں کو اسکے پایوں کے ساتھ باندھ کر آسمان کی طرف اُڑاتا تھا۔ ایران کے مشہور پہلوان رستم نے جو کہ اس کا ملازم تھا اسکو بڑی مشکل سے جنگل سے جا کر ڈھونڈلایا اور اس سے کہنے لگا۔

"زمین پر ہوا تجھ سے کارِ کلاں کیا جو قصد اب سوئے آسماں"
(ترجمہ شاہنامہ فردوسی)

جمشید بھی ایران کے ایک مشہور بادشاہ کا نام ہے جسکو آخر ظالم ضحاک نے گرفتار کر کے آرہ چروا کر دو ٹکڑے کر دیا تھا۔ اس کے پاس ایک جام شراب پینے کا تھا جس میں تمام دنیا جہاں کی چیزیں نظر آجاتی تھیں۔ جامِ جمشید کو ہندوستانی اور ایرانی شعرا نے اپنے کلام میں بہت باندھا ہے۔

ع اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا جام جمشید سے یہ جامِ سفال اچھا ہے
(غالب)

دیگر بہمن - اسفندیار - دارا - فریدوں سب ایران کے مشہور بادشاہوں کے نام ہیں - ان سب کا ذکر فردوسی کے شاہنامہ میں بالتفصیل ملتا ہے اب ہم ظفرنامہ کے ساتھ جو گیارہ حکائتیں ہیں ان کو ہم مختصر طور پر نیچے درج کرتے ہیں -

ایک اونکار سری واہگورو جی کی فتح - حکائت دوئم (تعداد اشعار ۶۵)

یہ حکایت راجہ مانو مہیپ (جس کو بھگوت پران میں راجہ مان دھاتا لکھا ہے) کے لڑکے دلیپ کا اس راجہ کا جانشین مقرر کئے جانے کے بارہ میں ہے

راجہ مانو مہیپ کے چار پسران تھے - راجہ نے اپنے وزیروں سے پوچھا کہ اسے کس لڑکے کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہیئے - وزیروں نے جواب دیا کہ وہی قابل حکمرانی کے ہے جو کہ سب سے زیادہ عاقل اور فرزانہ ہو - چنانچہ راجہ نے اپنے ایک لڑکے کو دس ہزار ہاتھی دے دئے دوسرے کو پانچ لاکھ گھوڑے دے دئے تیسرے کو تین لاکھ اونٹ دے دئے لیکن چوتھے فرزند کو آدھا دانہ چنے کا اور ایک دانہ مونگی کا دے دیا اول الذکر تینوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنا سارا مال و متاع تلف اور ضائع کر دیا لیکن دلیپ نے آدھے چنے کے عوض کسی شخص سے سالم دانہ چنے کا حاصل کر لیا اور اس چنے کے دانے اور مونگی کے دانے

کو الگ الگ کھیتوں میں بو دیا اور چند سالوں میں اس کے پاس اتنا غلہ ہو گیا
کہ وہ ایک امیر کبیر آدمی بن گیا اور اس نے چنے کی فصل کی آمدنی سے شہر
دلی (دالی یا دیپ والی) کی بنیاد رکھی اور مونگی کی فصل کی آمدنی سے
شہر مونگی پٹن آباد کیا۔ اور اپنی اس دانائی اور کفائت شعاری
کے باعث وہ اپنے باپ کا جانشین بھی بنا لیا گیا

ساقی نامہ کے اشعار

بدہ ساقیا ساغرِ سبز رنگ — کہ مارا بکار است در وقت جنگ
پلا ساقیا ساغرِ سبز رنگ — جو ہے مجھ کو درکار بر وقت جنگ
بمن دہ کہ بخت آزمائی کنم — ز تیغ خودش کاروائی کنم
مجھے دہ کہ بخت آزمائی کروں — میں تلوار سے کاروائی کروں

حکائت سوم (تعداد اشعار ۵۷)

ایک بادشاہ ملک چین کا حالت نزع میں پڑا تھا۔ چونکہ وہ لاولد
تھا اس لئے اس کے وزراء نے اس سے پوچھا کہ اس کی وفات کے بعد کس
شخص کو اس کا جانشین مقرر کیا جائے۔ بادشاہ نے اس سے کہا اس کا
جانشین ایسے شخص کو بنانا چاہیے جس کے نہ پاؤں ہوں، نہ ہاتھ نہ آنکھیں
اور نہ زبان ہو۔ جس میں نہ ہوش ہو اور نہ ہمت اور نہ کسی کا اسے خوف ہو

جس میں نہ ڈر ہو نہ ہمت ہو نہ حیلہ بازی نہ ہوش ہو۔ جس کا نہ ناک ہو نہ آنکھیں ہوں نہ کان ہوں ۔ نہ پاؤ نہ دست و نہ چشم و زباں ۔ نہ ہوش

نہ پاؤ نہ دست و نہ چشم و زبان نہ ہوش	نہ ہوش و نہ ہمت نہ ہیبت گماں
نہ حول و نہ ہمت نہ حیلہ نہ ہوش	نہ بینی نہ بینا یکے ہر دو گوش

جب یہ بات وزرا سلطنت کی سمجھ میں نہ آئی تو بادشاہ ان کو اس بات کا راز کھول کر سمجھا دیا کہ میرا جانشین اک قسم کا اندھا ہونا چاہیئے کہ وہ کسی دوسرے شخص کی بیوی پر نگاہ فاسد نہ ڈالے اور نہ کسی کے مال پر نظر دوڑائے وہ اس طرح کا گونگا اور بہرہ ہونا چاہیئے کہ کسی کی چغلی نہ کرے اور نہ سنے۔ وہ ایسا بے پاؤں کا لنگڑا ہو کہ میدان جنگ میں پیچھے قدم نہ ہٹائے اور بدی کے راستہ پر اپنا قدم نہ بڑھائے دشمن کا خوف و ہراس اس کے دل میں نہ ہو۔ پس وزرا نے اپنے نیک بادشاہ کی بات کو سمجھ دیا اور بعد اس کی وفات پر عمل پیرا ہوئے

ساقی نامہ کے شعر

بدہ ساقیا ساغر سبز رنگ	کہ ما را بکار است در وقت جنگ
پلا ساقیا ساغر سبز رنگ	جو ہے مجھکو درکار بر وقت جنگ
بدہ ساقیا ساغر نیم پاں	کند پیر صد سالہ را نو جواں
وہ مے جس سے چشماں میں ہو رنگ پاں	کرے پیر صد سالہ کو پھر جواں

داستان چہارم (تعداد اشعار - ۱۴۱)

یہ کہانی انتر دیش سنے راجہ کی لڑکی بچتر متی کے سوئمبر رچانے کے بارہ میں ہے۔ پہلے دن سوئمبر میں گھومی اسے کوئی راجہ پسند نہ آیا۔ دوسرے دن اسے ایک راجہ سوبھٹ سنگھ پسند آگیا۔ لیکن سوبھٹ سنگھ نے کہا کہ میری شادی پہلے ایک خوبصورت عورت کے ساتھ ہو چکی ہوئی ہے۔ اس لئے میں بچتر متی کے ساتھ شادی نہیں کروں گا!

بگوید یکے خانہ بانو مرا ست — کہ چشم از دہر دو آہو ترا ست

کہ ایں را من ہرگز نہ کردم قبول — کہ قول قرانست و قسم رسول

تب وہ عورت بچتر متی بپھر گئی اور اس نے اپنی فوج لیکر راجہ سوبھٹ سنگھ کو چیلنج کیا یعنی لڑائی کے لئے للکارا۔ سوبھٹ سنگھ کے ساتھ بہت سے راجے اس کی مدد کے واسطے میدان جنگ میں آئے چنانچہ اس لڑکی نے اکثر راجاؤں کو قتل کر ڈالا۔ راجہ گنج سنگھ اور راجہ رن سنگھ۔ راجہ جے سنگھ جے پور نریش اور بوندی کا راجہ۔ فرنگیوں (فرانسیسیوں) کا راجہ انگریزوں کا راجہ اور بلک جنش کا راجہ سب اس بچتر متی کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور بیچارہ سوبھٹ سنگھ سخت زخمی ہوا لہذا مجبور ہو کر وہ بچتر متی کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہو گیا۔

ساقی نامہ کے اشعار

بدہ ساقیا جام فیروزہ فام | کہ مارا بکار است روزی تمام
پلا ساقیا جام فیروزی اب | جو ہے مجھ کو درکار ہر روز و شب
تو مارا بدہ تا شوم تازہ دل | کہ گوہر بیاریم آلودہ گل
وہ مے دے مجھے ہو جاؤں تازہ دل | علحدہ کروں موتی از کیچ د گل

ایشور کا بھجن کرنے سے اچھے برے کی پہچان ہو جاتی ہے۔ اور انسان نیکی اور برائی میں جو فرق ہے اس کو جاننے لگتا ہے۔ اسی لئے قران کریم کو الفرقان بھی کہا گیا ہے۔ یعنی ایسی کتاب جس کے پڑھنے سے انسان نیکی اور بدی میں تمیز کر سکے۔

حکائت پنجم (اشعار - ۱۵)

ایک قاضی کے گھر میں بیوی تھی نہایت نوعمر اور خوبصورت۔ اگر وہ کہیں دریا میں اپنا منہ دھولیتی تو سب مچھلیوں کے جسم کے کانٹے (خار) پھولوں میں تبدیل ہو جاتے۔ اگر وہ زہرہ (ستارہ) پانی میں اپنا سایہ ڈال دیتی تو اس کی نرگسی آنکھوں کی مستی کے عکس سے وہ سارا پانی شراب میں تبدیل ہو جاتا۔ جیسے حضرت عیسےٰ نے معجزہ دکھایا تھا

اگر آبے دریا بشوید رخش | ہمہ خار ماہی شود گل رخش
نجم افتادہ ہمہ سایہ آب | ز مستی شدہ نام نرگس شراب

اس عورت نے ایک نوجوان رئیس کو تاکا اور اس سے کہنے لگی کہ مجھے اپنے تخت کے پاس جگہ دو یعنی مجھے اپنی بیوی بنا لو۔ اس رئیس نے اس سے کہا کہ پہلے اس اپنے خاوند قاضی کو تو ختم کر لے۔ چنانچہ اس عورت نے جبکہ اس کا شوہر سو رہا تھا تلوار سے اس کا سر کاٹ کر الگ کر دیا۔ اور اس سر کو اٹھا کر وہ اس نوجوان رئیس کے پاس لے گئی اور کہنے لگی کہ لے اب میں نے تو اپنا عہد پورا کر دیا تو بھی اپنے عہد کو نبھا اور آج رات مجھے اپنے پہلو میں لٹا لے تب اس رئیس نے کہا اے بدذات جبکہ تو نے اپنے خاوند کو قتل کر ڈالا تو میرے ساتھ کیا نیکی کرے گی۔ پس میرے سامنے سے ہٹ جا لیکن اس عورت نے سر کو اس رئیس کے آگے پھینک کر شور اور واویلا کرنا شروع کیا کہ یہ شخص میرے خاوند کا سر کاٹ لایا ہے۔ تب وہ رئیس سرکار میں پکڑا گیا اور خونی ثابت ہوا۔ فتوہ اس کے قتل کئے جانے کا صادر ہوا تب اس رئیس نے کہا کہ اے محبوبہ میں تو یونہیں تیرے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔ میں تو تم سے ہر طرح راضی ہوں۔ تب اس عورت نے کہا کہ میرا انصاف ہو گیا میں اپنے خاوند کے خون سے درگذری کیونکہ اس کے قتل کئے جانے سے میرا قاضی تو دوبارہ زندہ ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا اب میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اس کو معاف کر دوں اور اپنا سب مال و اسباب فروخت کر کے حج کے لئے بیت اللہ کو روانہ ہو جاؤں۔ لیکن وہ عورت

اپنا سب مال و اسباب فروخت کر کے خفیہ طور پر اسی رئیس کے گھر میں جا گھسی اور پھر خدا جانے وہاں پر اس کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔

ساقی نامہ کے اشعار

بدہ ساقیا پیالہ فیروزہ فام | کہ ما را بکار است در وقت عام
پلا ساقیا جام فیروزہ رنگ | کہ چاہیئے مجھے ہر لمحہ بیدرنگ
بمن دہ کہ خوشتر دماغی کنم | کہ روشن طبع چوں چراغ کنم
وہ مے دے کہ خوش تر تا ہو جس سے دماغ | طبع جس سے روشن ہو مثل چراغ

حکایت ششم (اشعار - ۳۴)

سلطان ترکی بہ لقب شاہ روم کے وزیر کی ایک دختر تھی حسین و جمیل اور ایک روز شاہ روم حسب معمول شکار کرنے کی نیت سے اپنے سدھائے ہوئے چیتے باز اور بہری لے کر ہمرہ اپنے لاؤ لشکر سمیت جنگل کے اندر شکار گاہ کی جانب چلدیا۔ بادشاہ سلامت نے بہت سی جنگلی بکریاں گورخر اور ہرن وغیرہ شکار کیئے اتنے میں ایک مغرب کا فرنگی بادشاہ بھی شکار کھیلتا ہوا وہاں پر آن پہنچا اور ان دونوں کی باہم ٹکر ہو گئی۔ اور سلسلہ جنگ وجدل جاری ہو گیا۔ چنانچہ دونوں طرف سے سخت حملہ ہوا۔

بجنبش در آمد دو شاہاں دلیر | کہ بر آہوئے یک جستند دو شیر

یوں حرکت میں آئے دو شاہاں دلیر | جوں اک ہرن پر دوڑ آئیں دو شیر

بغریدن آمد دو ابرِ سیاہ | سناناں بہ انداختند چو نیزہ کاہ

کڑکتے ہوئے کالے بادل اٹھے | مثل سرکنڈہ نیزے پھینکے گئے

گریزش در آمد بہ عربی سپاہ | بہ غالب در آمد ہماں غرب شاہ

گئی بھاگ میداں سے عربی سپاہ | ہوا غالب ان پر وہ مغرب کا شاہ

جب شہر میں بادشاہ ترکی کے شکست کھا کر مع لشکر کے گرفتار ہو جانے کی خبر دار السلطنت میں پہنچی۔ تو وہاں کے سب امیر وزیر باہم کانا پھوسی کرنے لگے۔ کیونکہ وہ اپنے بادشاہ کی شکست پر سب نادم بھی تھے اور پریشان بھی تب اس وزیر کی لڑکی نے زرہ بکتر پہنا اور ہتھیار سجا کر سر پر عمامہ باندھ کر گھوڑے پر سوار ہو کر شاہ مغرب کے خیمہ شکار گاہ کی جانب روانہ ہو گئی وہاں پہنچ کر اس نے شاہ مغرب کو اپنی آمد کی خبر پہنچائی اور اس کے روبرو آنے پر کہنے لگی کہ میرے گھوسی اس جنگل میں گھاس کاٹنے آئے تھے ان میں سے ایک کو زعم ہے کہ وہ اپنے آپ کو بادشاہ ظاہر کرتا ہے۔ ان لوگوں کو تمہارے لشکریوں نے قید کر رکھا ہے بہتر ہے کہ آپ میرے آدمیوں کو رہا کر دو۔ ورنہ مجھے بھی تمہارے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے پڑیں گے۔ بادشاہ مغرب نے کہا اُے نوجواں تمہارے ان گھوسیوں کے بادشاہ نے میرے خلاف اس طریقہ

سے لڑائی لڑی ہے جس سے مجھے گمان ہوتا تھا کہ گویا وہ شاہ ماژندران ہے لہٰذا تو مجھ سے لڑنے بھڑنے کی بات نہ کر اور میں تمہارے آدمیوں کو ابھی رہا کر دیتا ہوں،، دیگر جب شاہ ترکی اور اس کے ساتھی رہا ہو کر وزیر کی لڑکی کے سامنے آئے تو اس نے اپنے عمامہ کو ذرا اوپر کو کستے ہوئے بڑے رعب کے ساتھ اپنا گھوڑا اچلانے والا ہنٹر سنبھالا اور شاہ ترکی کو تین چار ہنٹر رسید کرتے ہوئے کہا "یہاں کہاں گھاس رکھا ہے جو تم اِدھر کو آن مرے تمہیں بادشاہ سلامت نے رہا کیا ہے جاؤ کمبختوں اپنے اپنے گھروں کو سدھاؤ خداوندکریم سب دروغ گوئیوں اور دیگر گناہوں کا بخشنے والا ہے۔

ساقی نامہ کے شعر

بدہ ساقیا ساغرِ سبز پان	کہ صاحب شعور است ظاہر جہان
پلا ساقیا ساغرِ سبز پان	سکھاتی ہے جو عقل و دانش جہان
بدہ ساقیا جامِ فیروزہ رنگ	کہ در وقت شب چوں تو خوش روز جنگ
ذرا لا ادھر جامِ فیروزہ رنگ	مثل تیرے محبوب ہے وقت جنگ

نوٹ: ۱۳۹۸ء میں جب خلیفہ معتصم باللہ نے سلطان ٹرکی بایزید خاں یلدرم کے ہاتھ عہدہ خلافت بیچ ڈالا تو مسلمانوں نے اس امید کے سہارے کہ شاہ ترکی اب جلد ہی شہر روم واقعہ اٹلی پر قبضہ کر کے پوپ کو گرفتار کر کے عیسائیت کا خاتمہ کر ڈالے گا۔ شاہ ترکی کو بیٹھنگی ہی شاہ روم

کا خطاب دے دیا لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا لہٰذا ہوا اسکے برعکس یعنی ۔
ترکی کا اور مسندِ خلافت کا بھی ۱۹۱۹ء میں غازی مصطفیٰ پاشا کمال اتاترک
نے بیک وقت خاتمہ کر دیا دیگر انگریز جرنیل لارڈ ابنی کا شہر مکہ پر قبضہ
اور تسلط ہو گیا سلطان عبدالحمید خاں سوئٹزرلینڈ چلا گیا اور ترکی میں
عوامی حکومت قائم ہو گئی ۔ اس حکایت کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ
گورو گوبند سنگھ جی کو اسلامی تاریخ کے ساتھ خاصی دلچسپی تھی ::

حکائت ہفتم ــــ (اشعار ۴۹)

ساتویں حکائت شاہنامہ کی ایک داستان سے لی گئی معلوم ہوتی ہے لیکن
اس کے ساتھ وہ پوری مطابقت نہیں رکھتی ۔ دراصل اس کہانی میں دو
علحدہ داستان ہائے شاہنامہ کو خلط ملط کر دیا معلوم ہوتا ہے ::

که اسفندیار از جہاں رفت برد — نسب نامہ خود به بہمن سپرد
جب اسفندیار اس جہاں سے اٹھا — تو بہمن کو شاہی کا وارث کیا

حقیقت یہ ہے کہ بہمن بادشاہ ایران جس کے نام پر ایرانی کیلنڈر
میں ایک مہینہ کا نام بہمن رکھا گیا ہے کا پسر اسفندیار تھا ۔

طاس قلیاں میں رکھا ہے اس نے ابرِ مردہ کو
ڈوب مرو رو کے تو اسے ابرِ بہمن آب میں
(ذوق)

شہزادی ھما بہمن بادشاہ کی لڑکی کا نام تھا۔ اسفند یار بڑا زبردست پہلوان تھا بہمن کو اپنے اس بیٹے سے خطرہ تھا۔ لہٰذا اس نے اسفند یار کو یہ پٹی پڑھائی کہ رستم پہلوان بڑا سرکش ہو گیا ہے تم اسے سیستاں سے گرفتار کر کے دربار میں حاضر کرو چنانچہ اسفند یار سیستاں پہنچ کر رستم کے ساتھ لڑا اور مارا گیا شہزادی ھما کو اس کے اپنے باپ بہمن سے حمل ٹھہر گیا اور اس حمل سے داراب شاہ پیدا ہوا جو کہ ھما کے بعد تخت نشین ہوا۔ شاہ نامہ کا مترجم لکھتا ہے

یہ اک رسم آتش پرستوں میں تھی　　کہ ہمخواب کرتے تھے دختر کو بھی

لیکن اس حکائت ظفر نامہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جب شہزادی ھما بعمر ۱۴ سال کے تخت نشین ہوئی تو وہ ایک جوہری بچہ پہ عاشق ہو گئی جس کے تخم سے ھما کو ایک لڑکا پیدا ہو گیا جس کو شہزادی ھما نے بباعث اس کے وہ لڑکا ولد الحرام تھا بہت سامال جواہر ساتھ رکھ کر صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا جیسا کہ پنجاب کے ایک عوامی قصہ کی ہیروئن سسی کے ساتھ ہوا تھا۔ ایک دھوبی اس صندوق کو پانی سے باہر لے آیا اور اس نے اس طفل شیرخوار کو پرورش کیا دھوبیوں کی لڑکی اس بچے کو شاہی محل میں لے آئی۔ ھما کی چھاتیوں سے اس بچے کو دیکھ کر دودھ بہنے لگا۔ تب شہزادی ھما نے اس بچے کو اپنے محل میں رکھ لیا اور چونکہ وہ دریا سے حاصل ہوا تھا اس کا نام داراب (دریا + یاب) رکھا۔ اور داراب شاہ بڑا بہادر اور دین دار بادشاہ ثابت ہوا حقیقت کو پہچاننے والا اور خدا پر ایمان رکھنے والا۔ نوٹ: چوتھی صدی عیسوی میں شمالی مشرقی ایران کو فارس کی سلطنت کہتے تھے اور جنوبی مغربی علاقہ کو ایران کی حکومت کہتے تھے۔ شاہ

ایران کی دختر کی شادی فارس کے شہزادے کے ساتھ ہوئی۔ لیکن کسی نجومی
نے شاہ ایران سے کہہ دیا کہ تیرے بعد تیری دختر کا لڑکا تاج و تخت کا
وارث ہوگا۔ شاہ ایران نے اپنی دختر کے ہاں لڑکا پیدا ہوجانے پر اسے ایک
امیر کے سپرد کر دیا کہ وہ اسے خفیہ طور پر قتل کر ڈالے اور اپنی بیٹی کی گود میں
کوئی نوتولد لڑکی لا کر ڈال دی۔ اس امیر نے خفیہ طور پر اس لڑکے کو پرورش
کیا آخر جب شاہ ایران بہت بوڑھا ہو گیا تو اس نے ایک دن اپنے وزیر
کے ساتھ بڑا افسوس کیا کہ کاش اگر وہ اپنے دوہتے کو زندہ رہنے دیتا۔ وزیر
نے بادشاہ سے اصل حال کہہ دیا اور اس لڑکے کو دربار میں پیش کر دیا چنانچہ
اس لڑکے کو اس کے نانا نے اپنا تاج پہنا دیا مگر وزیر کو حکم عدولی میں سزائے
موت دی۔ چنانچہ بوڑھا وزیر جان سے مارا گیا۔ لیکن جب چند دن بعد بادشاہ
ایران خود بھی اس دنیا سے چل دیا تو اس کے دوہتے نے اسی پرانے وزیر
کے لڑکے کو اپنا وزیر سلطنت بنا لیا اور اس طرح سے فارس اور ایران کی
حکومت ایک تاج کے نیچے چلی گئی دیگر ولیم شیکسپیر (۱۶۱۶ - ۱۵۶۴ء) نے
جو ڈرامہ موسم سرما کی کہانی (Winter's Tale) لکھا اس میں بھی کچھ اسی قسم
پلاٹ استعمال کیا ہے۔

حکائت ہشتم (اشعار-۵۶)

آٹھویں داستان عجم (ایران) کے بادشاہ کی خوبرو بیگم کے بارہ میں ہے کہ اس کے ہاں دو لڑکے تھے جو کہ جوان ہو کر بڑے خوبصورت اور بہادر نکلے۔ لیکن ایسا اتفاق ہوا کہ ان کی بیوہ والدہ یعنی وہ بیگم کسی نوجوان شخص پر عاشق ہوگئی، چنانچہ اس عورت نے دیوانگیٔ عشق کے باعث اپنے دونوں لڑکوں کو پہلے تو خوب شراب پلائی، پھر راگ رنگ کی مجلس بلوائی اور بعد ازاں جب وہ حالت مستی اور نیم بیہوشی میں تھے مجلس برخاست کرکے تلوار مار کر ان دونوں کو قتل کر دیا۔ بعد اس کے اس بدذات عورت نے شور اور واویلا کرنا شروع کیا اور جب بہت لوگ اکٹھے ہو گئے تو کہنے لگی کہ میرے دونوں جوان لڑکے نشہ شراب میں مخمور ایک دوسرے کے ساتھ لڑ پڑے تھے اور انھوں نے ایک دوسرے کو جان سے مار ڈالا حالانکہ میں ان کو روکتی رہی۔ اب کیا کروں زمین بھی میرے لئے نہیں پھٹتی اور دنیا میرے لئے دوزخ کی بھٹی بن گئی ہے اور میں عین دوزخ کے دروازہ میں کھڑی ہوں۔

بخواہم کہ من ترک دنیا کنم	فقیری شدہ ملک چین می روم
یہی جی میں ہے ترک دنیا کروں	میں جوگن بنوں ملک چیں کو چلوں
بگفت ایں سخن و زکند جامہ چاک	رواں شد سوے دشت چیپ چاک خاک

کہا یوں زباں سے کیا جامہ چاک　　گئی سمت صحرا اُڑا سر پہ خاک

جانب دشت کچھ دور پہنچ کر اس بیگم نے بیچ جنگل کے ایک جگہ نہایت پُر فضا دیکھی۔ اور وہاں پر کیا دیکھتی ہے کہ ایک بیل کے اوپر ایک نوجوان خوبصورت مرد اور ایک ماہر د ساتھ اس کے بیٹھے ہوئے ہیں اس بیل پر سوار عورت سے بیگم نے پوچھا "اے سرو چمن آیا تو کوئی حور ہے یا پری تو آسمان سے زمین پر آیا ہوا بدر کمال ہے یا شمس یمنی ہے (جس کی روشنی سے دھرتی میں لعل پیدا ہو جاتے ہیں) تب اس عورت نے جواب میں کہا ؎

نہ حور و پری ام نہ نور جہاں　　منم دختر شاہ زابلستاں

نہ حور و پری نجم نہ اختر ہوں میں　　شہنشاہ زابل کی دختر ہوں میں

زابل وہ علاقہ ہے جہاں پر جمشید نے ضحاک (اژدہاک) سے شکست کھا کر پناہ لی تھی اور وہاں کے بادشاہ کی لڑکی کے ساتھ شادی کر لی تھی جب ضحاک کی ان کے اوپر فوج کشی کے خطرہ سے ڈر کر زابل کے امرا نے یہ مشورہ کیا کہ جمشید کو قید کر کے ضحاک کے پاس بھجوا دیں تو اس سازش کی خبر پا کر جمشید وہاں سے بھاگ اٹھا اور ہندوستان آتے ہوئے راستہ میں ضحاک کے آدمیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا

وہ زابل سے چل کر سوئے چین گیا　　ولیکن وہاں بھی بہت کم رہا

دہاں سے سوئے ہند راہی ہوا　بیابان نوردِ تباہی ہوا
وہ از بسکہ تھا اپنی جان سے بھی تنگ　لگا بخت ناساز سے کرنے جنگ
غرض ایک ضحاک کا ایلچی　کہ ساتھ اس کے تھوڑی سی تھی فوج بھی
وہ تھا سوئے خاقانِ چیں رہ سپر　جو دیکھا اسے بس تو پہچان کر
گرفتار کر کے بحالِ تباہ　روانہ کیا سوے ضحاک شاہ

وہ بیگم اسی بیل سوار جوڑے کی پرستش کرنے لگی۔ اس پر اس جنگل کی دیوی نے اس سے کہا "مانگ کیا مانگتی ہے" اس پر بیگم نے کہا کہ میں اپنی جوانی واپس مانگتی ہوں اور اپنے محبوب کا وصال، پھر بیگم کیا دیکھتی ہے کہ وہ اپنے یار کے شہر کے باہر ایک جنگل میں کھڑی ہے۔ دوسرے روز اس کا یار شکار کے لئے جنگل میں آیا اور اس وقت بیگم کی شکل مثل ایک ما دہ بارہ سنگھے کے ہو گئی چنانچہ اس کے یار نے اس کے پیچھے اپنا گھوڑا ڈالا اور دونوں بہت دور نکل گئے، وہاں جا کر بیگم ایک نہایت خوبصورت نوجوان عورت کی شکل میں رونما ہوئی، اور اس کے یار نے اس کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی اس نے رسمی طور پر دو چار بار جھوٹے منہ سے انکار کیا بالآخر مان گئی۔

ببیں گردش بے وفائی زماں　کہ خونِ سیاوش نماند نشاں
زمانہ کی گردش کا کیا ہو بیاں　مٹا خوں سیاوش کا یکسر نشاں

یعنی بیگم کے ہاں اس کے خاوند کے تخم سے جو دو لڑکے پیدا ہوئے تھے وہ دونوں اپنی والدہ کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ اور ان کے باپ سیاوُش کے تخم کا نام ونشان نہ رہا۔

یہ شعر (۴۶) شاہنامہ کی ایک معروف داستاں کے شعر کو قدرے تغیر کے ساتھ دوہراتا ہے۔ شاہنامہ میں شہنشاہ افراسیاب اپنے داماد کو حکم دیتا ہے۔ کہ وہ اپنی سالی کو سخت مار پیٹ کر کے اسکا حمل گرا دے

"اور اب رسن سے شمسہ کو جکڑ کر — تو کر ضرب شلاک اور اسقدر
کہ گر جائے اس کا حمل بے گماں — نہ تخمِ سیاوُش کا رہوے نشاں"

لیکن افراسیاب کی لڑکی کا حمل باوجود اس کے بہنوئی کی سخت مار پیٹ کے نہ گرا۔ اور اس کے بطن سے کیکاؤس پیدا ہوا۔ جس نے ایران پہنچ کر اپنے دادا شہنشاہ کیخسرو کی وفات کے بعد اس کی سلطنت حاصل کی

ساقی نامہ کے اشعار

بدہ ساقیا بادہِ سرخ رنگ فرنگ — خوش آمد مرا وقت زد تیغ جنگ
پلا ساقیا بادہِ سرخ رنگ — ہے درکار مجھ کو ہنگام جنگ
بمن دہ کہ خود را پژوہش کنم — بہ تیغ آزمائی شکوہش کنم
کروں دل کو آمادہ اور استوار — دکھاؤں جوہر تیغ مردانہ وار

حکایت نہم (اشعار ــ ۴۴)

کہانی سنی ہے ہم نے فرنگستان کے ایک بادشاہ کی کہ ایک روز ہمرہ اپنی بیوی کے پلنگ کے اوپر بیٹھا تھا۔ اس عورت کی نظر ایک جوہری کے لڑکے پر پڑی اور دل و جان سے مفتوں اس پر ہوئی اُس خوبصورت لڑکے کو بوقت شب اس عورت نے خلوت میں بلوالیا اور اس جوہری بچہ کے ساتھ لپٹ گئی اور اس کو اپنے ساتھ سلالیا پھر ایک حجام کو بلوایا اور ملکہ نے اس نوجوان کی ساری داڑھی اور مونچھیں مو چنے سے نچوادیں وہ نوجوان مرد بالکل ایک خوبصورت عورت کی شکل نظر آنے لگا۔

بدیدند اورا یکے روز شاہ — کہ مقبول صورت چوں رخشندہ ماہ

اسے دیکھ شاہ کو ہوا یہ یقیں — ہے مقبول صورت زنِ نازنین

پس بادشاہ نے ایک لونڈی کو خفیہ طور پر اپنے روبرو بلوا کر تاکید کردی کہ کسی نہ کسی طرح ملکہ سے چوری وہ لونڈی اس عورت کو اس کے پاس بھجوا دے کیونکہ اس کے واسطے اس کا دل اسطرح سے تڑپتا ہے جیسے کہ پانی سے باہر خشکی پر گری ہوئی مچھلی تڑپتی ہے۔

لونڈی بادشاہ کا یہ پیغام لے کر اس جوہری بچہ کے پاس پہنچی اور خفیہ طور پر سب حال بادشاہ کی بیقراری کا اس کو بتلا دیا۔ تب

وہ جوہری بچہ اپنی محبوبہ ملکہ سے کہنے لگا کہ بادشاہ تو مجھے عورت سمجھ کر اب میرے پیچھے پڑ گیا ہے اور ممکن ہے کہ اب سب راز اس پر عیاں ہو جائے لہذا مجھے مشورہ دو کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیئے ملکہ نے کہا میں تمہیں ابھی چار مہینے تک اپنے پاس رکھونگی اور ہمیشہ رات کو تمہیں اپنے ساتھ سلایا کرونگی

بادشاہ رات کو جب محل میں آتا تو اس جوہری بچہ کو زنانے کپڑے پہنے اپنی بیوی کے ساتھ سویا دیکھتا اور کہتا " خدا کی قسم میرا داؤ نہیں چلتا لیکن اگر کسی دن یہ اکیلی مجھے مل گئی تو میں اسے ہرگز ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ تب ایک دن بادشاہ نے انکو باہم بدفعلی کرتے دیکھ لیا اور بہت پچھتایا کہ میں نے دور کی بات کیوں نہ سوچی اور اس ناٹک کو فوراً کیوں نہ بند کرایا اور کہ میں شہوت کے زیرِ اثر اپنی عقل اور دور اندیشی کو کھو بیٹھا۔

ببیں بے خبر بد خو اسی کند | کہ بے آب سر خود تراشی کند
رہے جوشِ شہوت میں جو بیخبر | بلا پائی سو کھا منڈا لے گا سر
بدہ ساقیا ساغرِ سبز فام | کہ فہم افگنی وقت ہتش بکام
پلا ساقیا ساغرِ سبز فام | مٹانا ہے دنیا سے دشمن کا نام
بدہ ساقیا جامِ سبز مرا | کہ سربستہ من گنج بخشم ترا
تو جلدی سے اک جام لادے مجھے | کہ خفیہ خزانہ میں بخشوں تجھے

حکائت دہم (اشعار - ۱۷۹)

ماژندراں میں کبھی ایک بادشاہ تھا کہ نام اس کا روشن دل تھا اور اس کے لڑکے کا نام روشن ضمیر تھا اس بادشاہ کے وزیر کے ہاں ایک لڑکی تھی جس کا نام روشن دماغ تھا وہاں پر لڑکوں اور لڑکیوں کے واسطے سکول علحدہ علحدہ تھے چنانچہ جب شہزادہ روشن ضمیر بڑا ہوا تو اسکول برائے تعلیم لڑکوں کے مکتب میں ملا کے پاس بھیجا گیا اور وزیر زادی روشن دماغ کو لڑکیوں کے سکول میں استانی کے پاس بٹھادیا گیا۔ ان دونوں مکتبوں کے درمیان صرف ایک دیوار کا پردہ تھا لڑکوں اور لڑکیوں کو دونوں جگہ ایک ہی سبق پڑھائے جاتے تھے چنانچہ لڑکے اور لڑکیاں اس دیوار کے پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ اپنی پڑھائی کے مضامین کے بارہ اکثر بحث و مباحثہ بھی کیا کرتے تھے۔ ہر کتاب کے بارہ بحث ہوتی اور فارسی و عربی میں جملہ گفتگو بزباں شعر کی جاتی تھی

انہیں مکتبوں میں پڑھتے پڑھاتے شہزادہ اور وزیر کی لڑکی طفلی سے عمر جوانی کو پہنچے۔

کہ شمشیرِ علم و علم بر کشید   بہارِ جوانی بہر دو رسید

تلوار علم اور جوانی نے اپنا جھنڈا کھڑا کیا اور ان دونوں پر جوانی کا رنگ چڑھ آیا

بہارش درآمد گلِ بوستاں   بجنبش درآمد شہ چستیاں

اس بوستاں کے پھول پر جوانی کی بہار آئی۔ ادھر عشق کی کہانی کا شہزادہ جنبش میں آیا

بخوبی درآمد گلِ بوستاں   بعیش اندر آمد دلِ دوستاں

اس بوستاں کے پھول یعنی شہزادی میں ایسا نکھار حسن و خوبی پیدا ہوا کہ عشاق کے دل اس کے دیدار سے شراب عیش دیدار سے سرمست ہونے لگے۔ ان کے مکاتیب کی دیواروں کے درمیانی پردہ میں ایک چوہا رہتا تھا اس چوہے نے اس دیوار کو بھی اور انکی باہم اجنبیت کی دیوار میں بھی سوراخ کر ڈالا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے مل کر ایسے مست ہوئے کہ سب علم و ہنر کی باتوں کو فراموش کر کے ایک دوسرے پر لٹو ہو گئے۔ جب جوشِ عشق سے ان دونوں کے چہرے زرد پڑ گئے اور وہ ہر وقت کھوئے کھوئے سے رہنے لگے تو معلم نے شہزادے سے اور استانی نے وزیرزادی سے پوچھا کہ آخر تم لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ گزرا ہے جو تمہارے چہرے اسطرح سے زرد پڑ گئے ہیں اور تم ہمیشہ پریشان حال اور مخبوط الحواس سے رہتے ہو۔ انھوں نے اپنی اپنی جگہ ان سوالوں کا کچھ جواب نہ دیا لیکن کچھ دنوں میں انکے باہمی عشق و محبت کا بھید اکثر لوگوں پر کھل گیا۔

دارالسلطنت ماژندراں کے مکتب کا جو مولوی تھا اس کے ہاں ایک لڑکی بھی تھی جو کہ وزیرزادی کی عمر کی تھی۔ اس نے بھی وزیرزادی سے بہت اصرار

کر کے پوچھا لیکن وزیر زادی نے اس سے بھی بات چھپانے کی کوشش کی۔ تب مولوی صاحب کی دختر نے ایک بزم عیش ونشاط مرتب کی۔ وہاں وزیر زادی کو بلوا دی گئی چنانچہ اس نے اپنے دل کا تمام بھید کہ ڈالا۔ یہی طریقہ کار اس ملا کی دختر نے شہزادہ سے بھید حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا پھر آہستہ آہستہ یہ بات اور بھی پھیلتی گئی کہ ازعشق وزمشک

کہ ازعشق در مشک از ثمر و خوں	کسے پنہاں نماند است آمد بروں
کہ عشق اور مشک اور قتل وشراب	ہمیشہ نہیں رہتے سر بستہ باب
قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا خوں کیونکر	جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکاریگا آستین کا
بشہر اندر دل گشت شہرت پذیر	ازاں زادۂ شاہ و دختر وزیر
چلا شہر میں قصہ دلپذیر	فسانہ شہزادہ و دختر وزیر

جب بادشاہ نے یہ خبر سنی تو وہ بہت ناراض ہوا۔ اور اس نے دو کشتیاں طلب کیں۔ شہزادہ کو ایک کشتی میں اور دختر وزیر کو دوسری کشتی میں علحدہ علحدہ بٹھا کر انکے لنگر کاٹ دئے گئے۔ لیکن حکم خدا سے جب وہ کشتیاں بیچ دریا سے بحرِ ذخار کے پہنچیں تو آندھی وطوفان کے اثر سے وہ بالکل ایک دوسرے کے ساتھ جا ملیں۔ اور حکم خدا سے وہ دونوں کشتیاں جڑ کر ایک کشتی بن گئی۔

دو کشتی در آمد بیکجا دو تن	چراغ جہاں آفتاب یمن

تھے اک کشتی میں بیٹھے وہ دونوں تن — چراغ جہاں آفتاب یمن
بر فلتند کشتی بدریائے غار — بہ موج اندر آمد چو برگ بہار
یہ چھوٹی سی کشتی وہ بحر ذخار — جو لرزا دے پتے کو باد بہار
یکے اژدہا بود آنجا نشست — بخوردن درآمد وزاں کرد جست
وہاں رہتا تھا اک بڑا اژدہا — نگلنے کو دونوں کے آگے بڑھا
دگر پیشتر بود قہر بلا — دو دستش ستوں کردے سرہما
دگر سمت تھی ایک کالی بلا — پھیلا ہاتھ دونوں کیا سر کھڑا

لیکن اُنکا خدا ان پر مہربان تھا کہ کشتی ان کی طوفان کی موجوں کے زور سے نہایت تیزی کے ساتھ آگے کو نکل گئی اور وہ اژدہا جو ان کے پکڑنے کے لئے آگے بڑھا تھا خود اس کالی بلا کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ چنانچہ اس کالی بلا نے اس اژدہے کو مار ڈالا اور اس کا سارا خون پی گئی۔ بالآخر بحکم خداوند کریم اِن دونوں کی کشتی کنارے پر جا لگی ؞

شہزادہ اور وزیرزادی کشتی کو چھوڑ کر دریا کے کنارے پر جا بیٹھے لیکن وہاں انھیں ایک اور زبردست مصیبت کا سامنا کرنا پڑا یعنی ایک طرف سے تو ایک خونخوار شیر ان دونوں کو کھا جانے کے لئے بھاگتا ہوا وہاں پر آن پہنچا۔ اور دوسری طرف پانی سے نکل کر ایک مگرمچھ بھی اسی نیت سے وہاں آگیا۔ اب شیر نے جو ان پر جست کی تو وہ دونوں

زمین پر لیٹ گئے۔ ادھر مگرمچھ منھ پھاڑے ان کی طرف آ رہا تھا چنانچہ شیر کا سر مگرمچھ کے منہ میں پھنس گیا اور یہ دونوں بالکل محفوظ ہو گئے۔ اب حکم خدا سے شہزادہ روشن ضمیر اور وزیر زادی کنارے سے خشکی کی جانب چل دیے اور ایک سنسان صحرا و بیاباں کے درمیاں سے وہ گذرتے لگے اور ایک طویل سفر طے کرتے ہوئے ملک حبش (ابے سینیا ملک افریقہ) میں جا پہنچے۔ اور وہ دونوں دربار شاہی میں جہاں کہ شہنشاہ حبش سیاہ مخمل کی سرخ کناری والی اونچی ٹوپی پہنے ہوئے بیٹھا تھا۔ بادشاہ حبش نے شاہزادہ روشن ضمیر کو دیکھ کر کہا " اے آزادہ رو شیر سچ بتا تو کہاں سے ہے اور یہاں کیوں آیا ہے۔ اگر تو نے ذرا بھی جھوٹ بولا تو سمجھ لے موت تیری آن پہنچی سر پر تیرے " اس پر شہزادہ روشن ضمیر نے کیفیت اس حال کی جو کہ اس وقت تک اس کے سامنے گذر چکا تھا بادشاہ حبش سے کہی۔ تب بادشاہ حبش شہزادہ روشن ضمیر پر بہت مہربان ہوا۔ اور اس سے کہنے لگا۔

کلاہ ممالک بسر تو نہم	وزارت خودم را ترا امید ہم

کلاہ صوبیداری کو سر ڈال تو	قلمداں وزارت کو سنبھال تو

تب بادشاہ حبش نے جس سمت بھی شہزادہ روشن ضمیر کو کسی فوجی مہم پر بھیجا فتح و نصرت نے آگے بڑھ کر اس کے قدم چومے کیونکہ کوئی دیگر جنگجو اور دلیر شخص اس زمانہ کا اس کے مقابلہ کا نہ تھا۔ لہذا شہزادہ نے جلد ہی

شہنشاہ حبش کے دشمنوں کو یکے بعد دیگرے شکست دے کر قید کر لیا۔ اسی طرح سے عرصہ ایک سال اور چار ماہ کا گذر گیا اور شہزادہ روشن ضمیر کی عقل و فراست کا اور اس کی فوجی کامیابیوں کی تمام ملک میں دھاک بندھ گئی۔ تب ایک دن وزیرزادی نے اپنے خاوند سے کہا کہ آپ نے بالکل ہی اپنے وطن کو فراموش کر دیا کیا کبھی اپنے والد کے شہر کو خود جا کر آباد نہ کرو گے۔ جب شہنشاہ حبش سے شہزادہ روشن ضمیر نے واپس اپنے وطن چلے جانے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے بخوشی اجازت دیدی اور ایک آراستہ پیراستہ لشکر بھی ہمراہ اسکے کر دیا۔ (جس طرح کہ طہماسپ شاہ ایران نے ۱۵۵۲ء میں ہمایوں کے ساتھ کر دیا تھا) دیگر بادشاہ حبش نے شہزادہ روشن ضمیر کو بہت سامال و زر بھی دیا تاکہ وہ مثل بادشاہوں کے گذر کر سکے۔ تب شہزادہ روشن ضمیر اس بڑے ساز و سامان کے ساتھ اپنے وطن کی جانب چل پڑا۔

بپوشید دستار دختر وزیر	بہ بستند جوشن و شمشیر و تیر
سجا سر پہ دستار دختر وزیر	چلی پہن کر زرہ شمشیر و تیر
بسرداری گرد ہشیہ فوج	رواں شد لشکر چو دریائے موج
رواں شد بہ سرداری او جملہ فوج	رواں گشت لشکر چو دریا بہ موج
با تحت اس حسینہ کے سب فوج تھی	وہ لشکر تھا دریا کی یا موج تھی
یکے غول بستہ چوں ابر سیاہ	بہ لرزید بوم و بہ لغزید ماہ

وہ مجمع لشکر یا ابرِ سیاہ   کہ ہیبت سے کانپے ز ماہی تا ماہ

راستہ میں سب بادشاہوں کے لشکروں کو شکست دیتی ہوئی وزیر زادی آن پہنچی ملک ماژندراں کی سرحدوں پر۔ جب ماہ ژندراں کو خبر اس لشکر کشی کی پہنچی تو اس نے بہت پیچ و تاب کھایا اور دشمنوں سے لڑنے کے لئے عظیم الشان تیاری کی۔ سر سے پاؤں تک زرہ بکتر پہن کر خود شاہ ماژندراں میدان جنگ میں آیا۔

ع بیک دست چاچی کمان است و تیر   بمیداں در آمد کہ دختر وزیر

سرِ میداں پہنچی وہ دخترِ وزیر   لئے ہاتھ چاچی کماں اور تیر

نوٹ:۔ چاچ ایک علاقہ ملک ایران کا ہے جہاں بڑھیا قسم کی کمانیں بنتی تھیں شاہنامہ کے مصنف نے اکثر بار چاچی کمان کا ذکر کیا ہے۔ دخترِ وزیر نے نہایت سخت جنگ کی وزیر سب سے پہلے اس پر حملہ آور ہوا لیکن اس لڑکی نے اس کو یعنی اپنے والد کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیا پھر پانچ پہلوان اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر یکے بعد دیگرے اس پر ٹوٹ پڑے لیکن سب کے سب مارے گئے۔ آخر شاہ ماژندراں شکست کھا کر بھاگ نکلا وزیر کی لڑکی نے بھاگتے ہوئے بادشاہ کا تعاقب کیا۔ اور اس کو گرفتار کر کے اپنے خاوند یعنی اس بادشاہ کے لڑکے کے سامنے اس کو گھسیٹ لائی۔ اور اپنے خاوند سے پوچھا کہ آیا شاہ ماژندراں کو قتل کر دیا جائے یا قید میں ڈال دیا جائے۔ شاہزادہ نے اس کے قید میں رکھنے کا حکم دیا چنانچہ اس کو ایک جیل کے اندر بند کر دیا گیا۔ شہزادہ نے

حکم خدا سے بادشاہی اور اپنے باپ کی جگہ حکمراں ہوا اور وزیرزادی ملکہ مملکت ماژندران کی بنی۔

ساقی نامہ کے اشعار

بدہ ساقیا ساغر سبز آب   کہ بیروں بہ افتاد پردہ نقاب
پلا ساقیا ساغرِ سبز رنگ   کہ پردہ میاں سے اٹھے بیدرنگ
بدہ ساقیا سبز رنگ فرنگ   کہ مار ایکار است بر وقت جنگ
تو جلدی سے لا بادہ شہر فرنگ   کہ ہے مجھ کو درکار بر وقت جنگ

نوٹ: فسانہ آزاد کے مصنف پنڈت رتن ناتھ سرشار کا شعر ہے

کوثر کی کھنچی نہیں ہے منظور   لنڈن کی بلا جسے پیئے حور

۱۷۰۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب کی وفات پر کلکتہ کے انگریز تاجر بطور ایک سیاسی طاقت کے ہاتھ پاؤں مارنے لگے تھے بصیغہ تجارت کے وہ اکثر انگریزی شراب اس ملک میں منگوا کر فروخت کرنے لگے تھے اور انگریز اس سے دوسو سال قبل ہی یورپ کی صنعت و حرفت کی اشیا اور اپنے ملک کی شراب وغیرہ یہاں پر فروخت کرنے لگے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی ولائت میں کشیدہ کی ہوئی کو اس ملک میں بڑی رغبت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

حکائت یازدہم (اشعار - ۶۱)

حکائت کرتے ہیں شاہ کالنجر⁵ کی کہ اس نے اپنے قلعہ کا ایک دروازہ بہت فراخ اور اونچا اور مانند چٹان کے مضبوط تعمیر کروایا ہوا تھا۔ اس بادشاہ کے ہاں صرف ایک ہی لڑکا تھا جس کا نام حسن الجمال تھا اور وہ لڑکا بڑا دانا اور لائق تھا کہ اپنے باپ کے ملک اور مال کو سنبھال سکے۔ ملک کالنجر میں ایک امیر تاجر رہتا تھا اور اس کے ہاں صرف ایک ہی لڑکی تھی نہائت خوبصورت نازک طبع اور رنگین مثل یاسمین (کے پھول) کی پنکھڑی کے اور وہ لڑکی شہزادہ کالنجر پر دل و جان سے عاشق ہو گئی جس طرح کہ چاند سورج کا عاشق ہوتا ہے۔ اس سوداگر کی لڑکی نے شہزادے سے صاف صاف کہ دیا کہ اگر وہ اس کے ساتھ شادی کر لے گا تو دنیا میں اسے کسی بھی دشمن سے خطرہ و اندیشہ نہ رہے گا۔ اگرچہ شاہزادہ سوداگر کی بیٹی کے ساتھ شادی کر لینے پر راضی تو ہو گیا مگر اس نے اس کے سامنے یہ شرط رکھی۔ کہ ملک ہندوستان میں جو بادشاہ شیر شاہ ہے۔ اس نے عراق کے کسی سوداگر سے دو گھوڑے خریدے ہیں

---

⁵ کالنجر (کلنجر ؟) ملک ہندوستان کے مشہور قلعے کا نام ہے۔ نظیر اکبرآبادی کا شعر ہے

بہتوں نے لاج سبھی دنیا میں نام پایا	چتوڑ گڑھ کو سارا کالنجر اپنایا
جب توپ نے اجل کی آمورچہ لگایا	سب اڑ گیا ہوا پر کچھ بھی نہ کام آیا

حسب و نسب کا تم میں جو ہر ہوا تو پھر کیا

ہیں۔ عوض ان دو گھوڑوں کی قیمت کے سوداگر کو بہت سا سونا چاندی دیا ہے اور ایک ہاتھی بھی نذر کیا ہے۔ بباعث اس کے کہ وہ سوداگر ان دو گھوڑوں کو دریائے نیل کے (پانی کے) بیچ سے پکڑ کر لایا تھا ایک گھوڑے کا نام "راہ" ہے دوسرے کا "سوارہ" اور وہ دونوں نر گھوڑے سمجھ لو کہ مانند بہت بڑے بارہ سنگھے کے تیز رفتار ہیں۔ اگر تو مجھے وہ دونوں گھوڑے لادے تو میں تمہیں اپنی ملکہ بنالوں گا

چنانچہ وہ سوداگر بیٹی اسی وقت ملک ہندوستان کی جانب روانہ ہوئی اور آخر ایک دن وہ دریائے جمنا کے تٹ پر آن پہنچی۔ (جہاں پر کہ شیر شاہ سوری کا تعمیر کردہ پرانا قلعہ جس کو پانڈو کا قلعہ کہتے ہیں موجود ہے) اور وہاں پر اس نیک بخت نے کباب کھائے اور شراب پی۔ جب رات کا اندھیرا پڑ گیا تو اس سوداگر بیٹی نے گھاس کے بڑے بڑے پولے باندھ کر دریائے جمنا کے پانی میں بہانے شروع کیے۔ بادشاہ شیر شاہ کے قلعہ کے پاسبانوں نے جب پانی میں کچھ تیرتا ہوا دیکھا تو انھوں نے اپنی بندوقیں ان گھاس کے پولوں پر سر کیں۔ آخر جب کوئی آواز کسی قسم کی نہ ہوئی۔ تو وہ بھی غافل ہو کر آرام کے ساتھ سو گئے۔ جب سب شور و غل ساکت ہو گیا تو سوداگر بیٹی اپنی جگہ سے اٹھی اور بڑی بڑی میخیں لے کر قلعہ کی دیوار کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ اور جب قلعہ کا گھڑیال بجنے لگا تو ہر ضرب گھڑیال کے ساتھ وہ ایک ایک میخ دیوار قلعہ میں پیوست کر لی گئی اور اس طرح اس نے بارہ میخیں ٹھونک کر اوپر جانے کے لئے سیڑھی بنالی۔ اس طویلہ پر جسکے

اندر وہ دونوں گھوڑے بندھے تھے سخت چوکی پہرہ تھا۔ ان گھوڑوں کے تھان
تک پہنچتے ہوئے راستہ میں سات مقامات پر پاسبان کھڑے گئے تھے اس
سوداگر بچی نے راستہ کے ان ساتوں چوکیداروں کو قتل کر دیا اور طویلے کے
اندر پہنچ کر ایک دریائی گھوڑے کو کھولا اور اس کی پیٹھ پر سوار ہو گئی۔ تب
اسے زور سے چابک مارا پس وہ گھوڑا جست لگا کر دریائے جمنا کے پانی کے بیچ
جا پہنچا اور سوار کے اشارہ پر وہاں سے تیر کر دریا کے دوسرے کنارے پر چلا گیا
صبح جب گھوڑے کی چوری کی خبر مشہور ہوئی تو سلطان شہنشاہ کو سخت
حیرت ہوئی کہ آخر کون اس کے عظیم الشان گھوڑے راہ نامی کو ایسے پراسرار
طریقہ پر چرا کر لے گیا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی اور وہ اپنی مایوسی پر اپنے داہنے ہاتھ
کو اپنے دانتوں سے بار بار کاٹتا تھا دیگر بادشاہ شیر شاہ نے یہ بھی اعلان کر دیا
کہ میں نے اس چالاک چور کو معاف کیا بلکہ اگر وہ میرے سامنے آجائے تو میں اس کو
سو خزانہ انعام میں دوں۔ جب شہنشاہ کی طرف سے یہ خبر عام ختم ہو گئی تو ایک
دن وہ حسینہ یعنی سوداگر کی لڑکی سر پر زریں پٹکہ باندھ کر مثل درخشندہ ماہ کے
شیر شاہ کے سامنے حاضر ہوئی اور اپنے جرم سے اقبال کیا تب شیر شاہ نے کہا
کہ مجھے وہ تمام عمل جو تو نے اس گھوڑے کو چرانے کے واسطے اختیار کیا تھا دوبارہ
کر کے دکھا۔ ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

سوداگر کی بیٹی بادشاہ شیر شاہ کو دریائے جمنا کے کنارے لے گئی اور وہاں

پر بیٹھ کر اس نے شراب پی اور کباب کھائے پھر چند گھاس کے پولے آب جمنا
کے اندر بہا دئے۔ پھر مینخیں ٹھونک کر قلعہ میں گئی اور دوسرے گھوڑے کو کھول کر
اس کے اوپر سوار ہو گئی۔ تب اس نے اس دیو صورت یعنی "سوارہ"، گھوڑے
کو تازیانہ لگایا اور وہ جست کر کے بیچ دریائے جمنا کے پہنچ گیا۔ لیکن سوداگربچی اس کو
کنارے پر لے آئی۔ گھوڑے سے اتری اور بادشاہ شیر شاہ کو سلام کیا پھر عربی
زبان میں بادشاہ سے کہنے لگی کہ عجیب ہے آپ کی عقل کہ از خود اپنا دوسرا گھوڑا بھی
مجھ سے چوری کرا دیا۔ اس کے بعد وہ ہنستی ہوئی اس گھوڑے پر سوار ہو کر دریائے
جمنا کو پار کر گئی۔ تب بادشاہ سلامت کو اپنی حماقت پر سخت ندامت ہوئی۔ لہٰذا
اس نے بہت سے سوار اس سوداگربچی کے پیچھے روانہ کئے تاکہ اس کو گرفتار کر کے اسکے
روبرو لائیں مگر وہ سب ناکام رہے اور انھوں نے واپس آکر غصہ سے اپنی پگڑیاں
اتار کر بادشاہ کے روبرو پھینک دیں اور کہنے لگے کہ جب آپ نے خود اپنے دوسرے
گھوڑے کو چوری کروا دیا تو اب اسے پکڑ کون سکتا ہے؟ کیونکہ وہ گھوڑا تو ہوا سے بھی زیادہ
تیز ہے۔ چنانچہ وہ سوداگربچی دونوں دریائی گھوڑے لے کر اپنے محبوب شہزادہ کالنجر
کے پاس چلی گئی اور وہ گھوڑے اپنے محبوب کے سامنے پیش کر کے اس کو اس کا وعدہ
یاد کرایا۔ تب شہزادہ کالنجر نے اس سوداگربچی کے ساتھ شادی کر لی تاکہ شہنشاہوں
کا قول جھوٹا ثابت نہ ہو۔

نوٹ: یہ کہانی گھوڑے چرائے جانے کی بھائی بدھی چند جی کی ساکھی سے بہت حد تک ملتی جلتی ہے

ساقی نامہ کے اشعار

بدہ ساقیا ساغرِ کو کنار — کہ در وقت جنگش بیاید بکار

تو لا ساقیا آبِ پوست کا جام — کہ وقت لڑائی وہ آتا ہے کام

کہ خوب است در ذنبِ حشم فگنی — کہ یکقطرہ اش فیل را پے کنی

گرا دے عدو کو وہ بروقت جنگ — لڑے پی کے ہاتھی سے بھی بے درنگ

حکائیت دوازدہم (اشعار - ۲۲)

درہ خیبر کے ایک قصبہ میں ایک افغان سردار رحیم خاں رہائش رکھتا تھا۔ اور بیوی اس افغان کی نہایت خوبصورت تھی۔

یکے با تو بے او بود ہمچو ماہ — کند دیدہ نش رشتہ گردن زشاہ

مثل بدر کے حسن سے تھی بہرہ مند — جو گردن میں شاہوں کی ڈالے کمند

بہ ابرو چو ابر بہاراں کند — بہ مژگاں چو از تیر باراں کند

گو ہر بیز تھے ابروئے دلربا — تھی مژگاں سے تیروں کی بارش سدا

رخ چو خلا صیدہ ماہ را — بہار گلستاں دہد شاہ را

آزادہ گہن جو درخشندہ ماہ — نسیم گلستاں گلعذار شاہ

یکے حسن خاں بود از جا فغاں — بدانش ہمیں بود عقلش جواں

شعر میں نقص ہے افغاں کی جگہ فغاں لایا گیا ہے مطلب یہ کہ وہاں اسی قصبہ میں حسن خاں نامی ایک پٹھان رہتا تھا اور وہ حسینہ اس نوجوان پٹھان کے دام محبت

میں گرفتار ہوگئی اور اس کو خلوت میں بلاکر اس کے ساتھ رنگ رلیاں منانے لگی۔

بود آنجا افغاں بچہ حسن خاں　　بدانش ہمیں بود عقلش جواں

کسی نے یہ داستان عشق ناجائز اس حسینہ کے خاوند رحیم خاں کو جا سنائی پہنچائی

رحیم خاں بڑے طیش میں آگیا اور اپنے نوکر چاکر لوگوں کو ساتھ لے کر پردیس سے

گھر کی جانب واپس پھرا۔ جب وہ گھر پہنچا تو اس کا رقیب اس وقت اس کے مکان

کے اندر تھا۔ رحیم خاں کی بیوی نے تلوار نکال کر۔ اپنے عاشق حسن خاں کو قتل کر ڈالا

اور اس غریب کا گوشت پکا کر اپنے خاوند اور اس کے ہمراہیوں کو کھلا دیا کھانا کھا کر رحیم خاں

نے اپنے رقیب حسن خاں کی تلاش میں اپنے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ لیکن رحیم خاں

کی بیوی پہلے ہی اپنے عاشق کا کھرا کھوج مٹا چکی تھی۔ اس پر رحیم خاں نے سوچا کہ میری

کی بیوی پر الزام لگانے والے چغل نے اس کے سامنے محض جھوٹ بولا ہے پس رحیم خاں

نے طیش میں آکر اس سراغ رساں کو بھی قتل کر دیا

ساقی نامہ کے اشعار

بدہ ساقیا ساغر سبز گوں	کہ مارا بکار است جنگ اندروں
پلا ساقیا ساغر سبز رنگ	ضرورت ہے اس کی بہنگام جنگ
لبالب کنم دمبدم نوش کن	غم ہر دو عالم فراموش کن
لبالب بکن نوش دم دم کنم	غم ہر دو عالم فرامش کنم
لبالب ہو ساغر پیوں دم بدم	فرامش کروں ہر دو عالم کا غم

تنقیدی تبصرہ

فارسی زبان میں جس طرح لفظ نامہ کے معنی خط (چٹھی) کے بھی ہیں اور اس سے مراد انہاس یا تواریخ بھی اسی طرح لفظ بوم کے بھی دو معنی ہیں ایک تو الو اور دوسرے سرزمین یا وطن

پردہ داری میکند در کاخِ قیصر عنکبوت	بوم آوازہ دہد در گنبدِ افراسیاب
مکڑی نے پردہ تانا ہے قیصر کے باٹ میں	الو کا پہرہ گنبدِ افراسیاب میں

باب و محل

گورو گوبند سنگھ جی کے فتح نامہ کا دسواں شعر ہے ع ۵

کہ ہرگز ازاں چار دیوار شوم	نشانے نماند بر ایں پاک بوم

آپ نے ساتویں شعر سے شروع کر کے دسویں شعر تک اپنا ایک خاص مطلب یوں بیان فرمایا ہے۔ "شہنشاہ اورنگ زیب تو نے اپنے باپ شاہجہاں کی مٹی میں اپنے بھائی (دارا شکوہ) کا خون ملا کر اپنی بدکرداری سے لتاڑ کر گارا بنایا ہے۔ اور اس مصالحہ کے استعمال سے اپنا محل کھڑا کیا ہے خدا کے فضل سے ہم اپنی گولیوں کی ایسی برسات لا دیں گے کہ اس منحوس تعمیر کا اس پاک سرزمین (بوم) پہ نشان تک قائم نہ رہیگا یعنی اس تعمیر کو خاکِ وطن سے مٹا کر دم لیں گے۔ تاہم اکثر ٹیکا کاروں (یعنی ترجمہ کرنے والوں) نے سخت غلطی میں مبتلا ہو کر لفظ بوم کا ترجمہ "الو" کر دیا ہے۔ چنانچہ پنڈت

نانک چند ناز لکھتے ہیں۔ ا ے اورنگ زیب میں، نے آبِ آہن (امرتسا؟)
سے ایسی برسات کر دی ہے کہ تیرے نحوست بھرے گھر پر اس کے برسنے
سے اب الو باقی نہیں رہیں گے۔ لیکن ہم نے اپنے ترجمہ میں لفظ "بوم" کے
معنی سرزمین وطن قرار دیئے ہیں اور ہم ان معانی کی تصدیق میں حسب ذیل
اشعارِ فارسی کو بطور سند کے پیش کرتے ہیں :۔

از بوستانِ سعدی ۔ حکایت در آزمودن بادشاہ یمن حاتم را بہ آزادمردی

دریں بوم حاتم شناسی مگر ‌‌‌‌ ‌ ‌ ‌ ‌ کہ فرخندہ نام است و نیکو سیر

اس سرزمین میں جو حاتم رہتا ہے کیا تو اسکو پہچانتا ہے جسکو لوگ کہتے ہیں کہ فرخندہ نام اور نیک سیرت والا ہے

سرافراز دیں خاکِ فرخندہ بوم ‌ ‌ ‌ ‌ زعدلت براقلیم یونانِ درودم

اس سرزمین کی پاکیزہ (فرخ = خوبصورت پوتر) خاک پر جس نے دین
کا سر اونچا رکھا اور اس (سرزمین) کو اپنی عدل گستری یعنی انصاف کرنے
سے فوقیت دی مملکت یونان اور روما پر (یہ نوشیرواں کے بارہ ہے)

نہ دشمن برست از زبانش نہ دوست ‌ ‌ ‌ ‌ نہ سلطاں کہ آں بوم و برزاں اوستا

نہ دشمن کو رہائی ملتی اس کی زبان (بدزبانی) سے اور نہ دوست کو
اور نہ ہی اس کی زبان سے اس سرزمین کا مالک یعنی سلطان ملک بچ سکا۔:

فارسی زبان کے دیگر شعراء کے ہاں بھی لفظ بوم کے معنی
سرزمین وطن لیے جانے کی مثالیں عام ملتی ہیں۔ لہذا

اب شاہنامہ کے مصنف فردوسی کے ہاں لفظ بوم کا استعمال ملاحظہ فرمادیں

داستان بیژن و منیژہ (شاہنامہ فردوسی)

بیژن ایران کا ایک نوجوان پہلوان تھا جو افراسیاب بادشاہ چین کے علاقہ میں ایک فوجی مہم کا کمانڈر بن کر گیا تھا۔ وہاں وہ دختر افراسیاب جس کا نام منیژہ تھا کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے ماتحت جو افسر گرگین نامی تھا اس نے پہلوان بیژن کو دھوکہ سے افراسیاب کے لشکر کے ہاتھوں گرفتار کرا دیا۔ بیژن کے والد گیو پہلوان نے بادشاہ کیخسرو کے پاس فریاد کی کہ اس کا پسر لاپتہ ہو گیا ہے چنانچہ اس کا پتہ لگایا جائے۔ کیخسرو شاہ ایران نے گیو سے کہا کہ اب نوروز (فرودین) آنے والا ہے میں اپنے جام جہاں نما میں (جو کہ جمشید کی میراث ہے) دیکھوں گا کہ بیژن کس سرزمین میں اور کن حالات میں ہے۔

بیا تا بیاید فرودین — کہ بفروزد اندر جہاں ہوردین

تم آنا چڑھے ماہ فرودین — جہاں میں ہو روشن شمع ہوردین

بخواہم من آں جام گیتی نمائے — شوم پیش یزداں بباشم بپائے

منگاؤں گا میں جام گیتی نمائے — کروں گا میں سجدہ برہنہ زبائے

کجا است کشور بدور اندراں — ببینم برو بوم ہر کشوراں

میں دیکھوں گا وہ کس جگہ ہے مکیں — نظر آئے گی اس میں ہر سرزمیں

بگویم ترا ہر کجا بیژن است | بجام این سخن مہر ار روشن است
بتادوں گا تجھ کو ہے بیژن کہاں | مجھے جام سے ہو جائے گا عیاں
چو بشود گیو این سخن شاد شد | ز تیمار فرزند آزاد شد
سنا جو گیو نے ہوا شاد وہ | ہوا غم کے بیٹے سے آزاد وہ

کئی لوگ اس بات پر تعجب کریں گے کہ گورو گوبند سنگھ جی نے جو گیارہ حکایات اصل ظفر نامہ کے ۱۱۱ - اشعار کے ساتھ اضافہ کر دی ہیں وہ عریاں نوعیت کی کیوں ہیں؟ - ان اصحاب پر ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ صوفیوں کے ادب میں جنسی تعلقات کو عریاں اور بے نقاب تحریر کر دینا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا تھا مثنوی مولانا روم کے بارہ کہا گیا ہے کہ وہ فارسی زبان میں قرآن کریم کا درجہ رکھتی ہے "مثنوی معنوی مولوی ہست قرآں در زباں پہلوی"۔ لیکن اس مثنوی میں بھی بہت سی حکایات نہایت عریاں نوعیت کی ہیں مثلاً آغاز مثنوی میں ہی ایک حکایت ہے کہ ایک بادشاہ نے کسی سوداگر سے ایک نہایت خوبصورت لونڈی خریدی بادشاہ اس لونڈی کے ساتھ جنسی تعلقات کا خواہاں تھا مگر وہ بیمار ہو گئی اور شاہی طبیبوں کی کوئی بھی دوائی اس کو رو بصحت نہ لا سکی۔ تب بادشاہ نے مسجد میں جا کر خود چراغ روشن کیا اور وہاں دعا کرنے کے لیے بیٹھ گیا اسے وہاں پر خواب آ گیا اور اس نے دیکھا کہ ایک طبیب اس

لونڈی کا علاج کرنے کے لیئے آرہا ہے - دوسرے دن اسی شکل وصورت کا ایک آدمی
بادشاہ کے پاس آن پہنچا۔ اس طبیب نے تخلیہ کروایا اور لونڈی سے پوچھا
کہ وہ کن کن مقامات پر اور کس کس کے پاس رہی ہے۔ اس نے کئی مقامات
اور لوگوں کے نام لئے مگر اپنے ایک سابق آقا کا نام لیتے ہوئے وہ شرما سی گئی۔
اور وہ تھا شہر بخارا کا ایک زرگر۔ طبیب کے کہنے کے بموجب بادشاہ نے اس
زرگر کو اپنے پاس بلا لیا اسے بہت سا سونا زیور گھڑنے کے لئے دے دیا
اور طبیب نے اسے نہایت قیمتی اجزا کی ادویات مردمی اور امساک کی کھلانی
شروع کیں نوجوان زرگر رات بھر اس لونڈی کے ساتھ مشغول رہتا اور
بباعث کثرت جماع کے وہ عرصہ چھ ماہ کے اندر اندر ہی گھل کر مر گیا۔ لونڈی
نے اس کے بعد ایک دو مہینے سوگ رکھا - پھر سب کچھ بھول گئی اور بادشاہ
سلامت کی بغل گرمانے لگی ؎

دیگر اسی طرح سعدی رحمۃ اللہ نے "گلستاں" اور "بوستاں"
میں - مولانا مجدی نے "خارستان" میں - مولانا جامی نے "بہارستان"
میں - اور قاآنی نے "پریشان" میں کئی مقامات پر اسی قسم کی عریاں حکایات
درج کی ہیں - اور بہار دانش و عیار دانش تو بالخصوص عریاں نویسی کے
لئے وقف ہیں - پس گورو گوبند سنگھ نے اگر چند حکایات قدرے عریاں
نوعیت کی لکھ ڈالی ہیں تو فارسی ادب کے نقطۂ نظر سے انکے بارہ کوئی اعتراض وارد
نہیں کیا جا سکتا ؎

جہاں کہیں گوربانی میں ذو معنی الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہاں پر ہمارے سکھ اتہاس پر لکھنے والوں نے ان کے معانی بیان کرنے میں اکثر بار دھوکا کھایا ہے۔ جیسا کہ اوپر بالتفصیل بیان کیا جا چکا ہے ظفر نامہ کے معنی "وجے پتر" کے بھی ہیں اور "اتہاس" کے بھی اور بوم کے معنی الو کے بھی ہیں اور زمین (دھرتی) کے بھی۔ چونکہ الو اونچے درخت پر گھونسلہ نہیں بناتا بلکہ اکثر سطح زمین پر جھاڑیوں وغیرہ میں رہائش اختیار کرتا ہے اس لئے اس کو بوم کہہ دیتے ہیں۔ پس ذو معنی الفاظ کے معنی لگانے میں یعنی صحیح معانی کا انتخاب کرنے میں ٹیکاکار خواہ مترجم واجب احتیاط ضروری ہے۔ مثلاً ہمارے سکھ دھرم کے پرسدھ مورخین نے گورو گرنتھ صاحب اور دسم گرنتھ سے چند "شبد" منتخب کر کے ان کا ترجمہ بزبان انگریزی پیش کیا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل شبد کے ارتھ لگانے میں ہمارے خیال میں ان اصحاب نے غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ گورو نانک دیوجی کا ایک شبد ہے ہندوستان پر ۱۵۲۱ء میں بابر کے حملہ آور ہونے کے بارہ میں

"خراسان خصمانہ کیا ہندوستاں ڈرایا"

ایسی مار پئی کرلانے تیں کیہہ ترس نہ آیا۔۔۔۔"

اس شبد کا انگریزی میں ترجمہ کرنے میں فاضل مصنفین نے لفظ "خصمانہ" کے

کے معنی دوستی کے لگائے ہیں کیونکہ بزبان پنجابی خصم کے معنی شوہر یا خاوند کے ہیں۔ حالانکہ اس لفظ کے معنی یہاں "دشمن" کے لئے جانے چاہیئے ہیں۔

قابل مُصنفین فرماتے ہیں :—

(اے خدا) تو نے خراسان کے ساتھ دوستی (خصمانہ) کی ہے تو نے ہندوستان کو سزا دی ہے وغیرہ وغیرہ۔

پنجابی معانی کی تصدیق میں شیخ امام بخش کے "شاہ بہرام" سے شعر پیش کیا جاسکتا ہے۔ جو کہ حسن بانو کے منہ سے بطور "دعا" کے کہلوایا گیا ہے

"توہیں مالک ستر میرے دا رکھیں توں خصمانہ

میرا نام بہرام شہزادے رہوے پاک بیرانہ"

لیکن گوروبانی میں لفظ خصمانہ اور خصم کے معنی دشمن کے لئے جاتے ہیں نہ کہ شوہر، خاوند یا دوست کے

حضرت شیخ سعدی کا شعر ہے

با رعیت صلح کن وز جنگ خصم ایمن نشیں ز انکہ شہنشاہ عادل را رعیت لشکر است

جو بادشاہ اپنی رعیت کے ساتھ صلح رکھتا ہے اسے دشمن (خصم) کے حملہ کا کوئی خوف و خطر نہیں ہو سکتا۔ جو بادشاہ عدل اور انصاف کرنے والا اس کی ساری کی ساری رعایا گویا اس کی فوج ہے۔

گورو ارجن صاحب فرماتے ہیں

صلی تے نارائن راکھا   صلی کا ہانڈ کہیں نہ پوہنچیو
صلی ہوا ناپاک
کاڈھ کٹار خصم سر کاٹیا   چھن میں ہو گیا دہ خاک...

یہاں خصم کے معنی دوست کے نہیں جبار و قہار ظالموں کو تباہ کرنے والے خدا کے ہیں دیگر گورو گوبند سنگھ جی نے اپنے ظفرنامہ میں متعدد بار لفظ "خصم" کا بمعنی دشمن کے استعمال کیا ہے۔ مثلاً

خصم دشمنی گر ہزار آورد   نہ یک موے او را آزار آورد
بدہ ساقیا ساغر سبز فام   کہ خصم افگنی وقت ہمتش بکام
کہ خوبست در وقت خصم افگنی   کہ یک قطرہ اش فیل را پے کنی

ان سہ اشعار کے معنی اپنے مناسب موقعہ پر اس کتاب میں دیے جا چکے ہیں لہٰذا ان کے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے

ظفرنامہ گورو گوبند سنگھ جی نے ۱۷۰۶ء میں تحریر فرمایا تھا اور فتح نامہ بھی اسی وقت میں لکھا گیا گورو صاحب کے درباری شاعر کوی سیناپتی نے اس واقعہ کو کوئی چالیس سال بعد جو ایک کتاب "گور شوبھا" نام کی تصنیف کی جس میں انہوں نے بھائی دیا سنگھ اور بھائی دھرم کا گورو مہاراج کا خط شہنشاہ اورنگزیب کے پاس بملک دکن لے جانے کا ذکر کیا ہے اور راستہ کے ان واقعات کا بھی جہاں پر گورو گوبند سنگھ جی کے یہ قاصد ٹھہرے نام لیا ہے۔ دیگر شہنشاہ اورنگزیب کی وفات کے بعد گورو گوبند سنگھ جی نے خود بھی مارچ ۱۷۰۷ء میں شہنشاہ بہادر شاہ

اول (۱۱۱ا - ۱۷۰۸) کے لشکر کے ساتھ ملک دکن کی جانب کوچ کرنا شروع کیا بھائی دیا سنگھ اور بھائی دھرم سنگھ نے کانگڑے سے براستہ دہلی دولت آباد ملک دکن تک ۱۲۰۰ میل کا راستہ ساٹھ دن میں طے کیا۔

گورو گوبند سنگھ جی کی شاعری کی خاص رچناؤں میں داخلی پہلو نہایت واضح اور نمایاں ہے۔ ظفرنامہ میں گورو صاحب نے اورنگ زیب کے ساتھ اپنی جنگ و جدل کے حالات بزبان فارسی قلمبند فرمائے ہیں اور وچتر ناٹک میں گورو جی نے اپنی پیدائش۔ اپنی زندگی اور اپنے خاص مشن اور پیغام کے بارہ میں مفصل تحریر فرمایا ہے

ہم ایہہ کاج جگت مو نہہ آئے — دھرم ہیت گورد یو پٹھائے

جہاں تہاں ہم دھرم بتھارو — دُشٹ دوکھین پکڑ پچھاڑو

ایہ کاج دھرا ہم جنمن — سمجھ لیہہ سادھو سبھ منمن

دھرم چلاون سنت اُبھارن — دشٹ سبھن کو مول ادھارن

گورو گوبند سنگھ جی کا وچتر ناٹک مہا کوی تلسی داس کی رامائن کے بحر اور طرز کلام سے ملتا ہے۔ وہ نیل نیل وہ تسو کرما کے پُوتا۔ بھر تر تاجن کا جھوٹا" تلسی داس جی اس کی تقطیع ہم "متفعلن۔ متفعلن" کر سکتے ہیں۔ ترجمہ حسب ذیل ہے

ہم آئے ہیں دنیا میں اس کام کو — کہ قائم رکھیں دھرم کے نام کو

یہاں اور وہاں قائم ہوگا دھرم — مخالف کو یکسر کریں گے ختم

جنم دھارا ہم نے تھا مقصد یہی — سمجھ لیویں سادھو یہ دل میں سبھی

سنت اور دھرم کو پھر ابھاریں گے ہم — جڑیں دشمنوں کی اکھاڑیں گے ہم

تمت بالخیر — سری واہگورو جی کا خالصہ سری واہگورو جی کی فتح

ضروری گذارش

جو کچھ اس خاکسار مصنف کتاب ہذا نے اس میں لکھا ہے اس کی تصدیق کے لئے ضروری شہادت بھی پیش کی ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ آپ صاحبان کا اس خاکسار کی پیش کردہ دلائل اور رائے کے ساتھ اتفاق نہ ہو اور نہ ہی مہیا کردہ شہادت پر اعتبار ہو تو اس حالت میں یہ خاکسار آپ کی خدمت میں گذارش کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ آپ اپنی قیمتی رائے سے اور اس شہادت سے جو کہ آپ اپنے دلائل اور رائے کی تائید میں رکھتے ہوں اس خاکسار کو تحریر کر کے بذریعہ ڈاک ارسال فرمادیں۔ تاکہ یہ خاکسار اپنی جملہ غلطیوں اور فروگذاشتوں سے واقفیت حاصل کر سکے اور اس کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں اپنی پیش کردہ ان جملہ غلط دلائل کو صحیح شکل میں پبلک کے سامنے پیش کر سکے۔

خاکسار

گوردیال سنگھ بھولا ایڈوکیٹ (۱۵۰۶
رنجیت محلہ پہاڑ گنج۔ نیو دہلی)

(الہ آباد پریس دہلی)